وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری و فنی جہات

(محاصرے کا روزنامچہ (1) کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار:

حلیمہ سعدیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۲۰ء

وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری وفنی جہات

(محاصرے کا روزنامچہ [1] کے حوالے سے)

مقالہ نگار:

حلیمہ سعدیہ

یہ مقالہ

ایم۔ فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان وادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۲۰ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری و فنی جہات کا مطالعہ (محاصرے کا روزنامچہ [1])

پیش کار: حلیمہ سعدیہ رجسٹریشن نمبر:1322/M/U/S17

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: زبان و ادب

ڈاکٹر صائمہ نذیر ____________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر ارشد محمود ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈئیر بدر ملک ____________________

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ____________

اقرار نامہ

میں، حلیمہ سعدیہ حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

حلیمہ سعدیہ

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۲۰ء

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم	ii
اقرار نامہ	iii
فہرست ابواب	iv
Abstract	vii
اظہارِ تشکّر	ix
باب اول: وجاہت مسعود کا تعارف اور سوانح	۱
الف۔ تمہید	۱
i۔ موضوع کا تعارف	۱
ii۔ بیان مسئلہ	۲
iii۔ مقاصد تحقیق	۳
iv۔ تحقیقی سوالات	۳
v۔ نظری دائرہ کار	۳
vi۔ تحقیقی طریقہ کار	۳
vii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیقی کام	۴
viii۔ تحدید	۴
ix۔ پس منظری مطالعہ	۴
x۔ تحقیق کی اہمیت	۵
ب۔ کالم نگاری کیا ہے؟ کالم کا لغوی و اصطلاحی معنی	۵
ج۔ صحافت کا آغاز	۸
د۔ وجاہت مسعود تعارف اور سوانح	۱۵

i۔ پیدائش ۱۵
ii۔ تعلیم ۱۶
iii۔ ملازمت ۱۷
iv۔ ازدواجی زندگی ۱۹
v۔ معاصر کالم نگاری ۱۹
حوالہ جات ۲۳
باب دوم: وجاہت مسعود کے کالموں کا فکری تجزیہ ۲۴
الف۔ سیاسی موضوعات ۲۴
ب۔ سماجی موضوعات ۳۰
ج۔ تاریخی موضوعات ۳۹
د۔ علمی و ادبی موضوعات ۴۴
ر۔ خصوصی موضوعات ۵۱
حوالہ جات ۵۶
باب سوم :وجاہت مسعود کے کالموں کا فنی تجزیہ ۵۸
الف۔ صحافتی اور ادبی زبان کا فرق ۵۸
ب۔ فصاحت و بلاغت ۶۳
ج۔ جامعیت ۶۸
د۔ دلچسپی کا عنصر ۷۴
ر۔ اختصار پسندی ۸۰
حوالہ جات ۸۷
باب چہارم: وجاہت مسعود کے کالموں کا اسلوبی تجزیہ ۸۹
الف۔ اسلوب کیا ہے؟ ۸۹
ب۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کے خصائص ۹۵
ج۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرادیت ۱۰۰

حوالہ جات	۱۰۵
باب پنجم ماحصل	۱۰۶
الف۔ مجموعی جائزہ	۱۰۶
ب۔ نتائج	۱۱۴
ج۔ سفارشات	۱۱۶
د۔ کتابیات	۱۱۷
ر۔ ضمیمہ، وجاہت مسعود کے کالموں کا اشاریہ	۱۱۸

Abstract

This title of my research, thesis for M.Phil Urdu is ‘‘A Study of Ideological dimensions of Wajahat Masood Columns writing, colums of ‘‘Muhasary ka Roznamcha” have been taken in this research. This book was published in 2017. The purpose of this research is to study of Wajahat Masood column writing and bring out throughts and thinking of him about Political Social, historical, educational, literariyal and important topics of his life. The columns of Wajahat Masood have unique identity. Wajahat Masood was a consultant in Pakistan newspaper “The News”, The Post” and “Aaj Kal”. In addition to the monthly “Nawa-e-Insan” and the weekly “Hum Sehri” was appointed as the editor. He is still writing two columns in the daily newspaper (Jung) in a week. The exact purpose of my research is to explain the urdu columns and shedding light on his intellectual espects. Analyze the uniquene of Wajahat Masood style. Linguistic analysis of Wajahat Masood columns. Wahajat Masood’s column is full of simple and easy words which will make the reader’s heart search and dedicated Wajahat Masood’s column urged the people of the society to benefit from his education. Wajahat Masood columns from full of eloquence, comprehensiveness element of interest and abstraction for the reader. Wajahat Masood does not differentiate between cast and tribe. Wajaht Msaood was written an empty society of his ethics and literature in columns.

Wajahat Masood has dealt a severe blow to today's situation and has tried to awaken the consciousness of human beings. Wjahat Masood is not optimistic as a good columnist.

اظہارِ تشکر

میں مقالے کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ کہ اس کے کرم کی بدولت میں اپنا کام بر وقت پایہ تکمیل تک پہنچا سکی۔ اس کے بعد میں شکر گزار ہوں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے صدرِ شعبہ اردو ڈاکٹر عابد حسین سیال، کورڈینیٹر ڈاکٹر فوزیہ اسلم اور انتہائی واجب الاحترام اساتذہ اکرام کا، جن کی شفقت ہر لمحہ میرے ساتھ رہی۔ میں اپنی نگران مقالہ ڈاکٹر صائمہ نذیر کی انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے ابتداء سے لے کر اب تک میرے ہر ممکن مدد کی اور تحقیق کے ہر موڑ پر ان کی شفقت اور رہنمائی ہمیشہ میرے شامل حال رہی ان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی بدولت میں نے اپنا کھٹن راستہ آسانی سے طے کیا۔

میں اپنے والدین اور سسرال والوں کی بھی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہر دعا میں مجھے شامل رکھا اور تحقیق کے تمام مراحل میں میری ہر ممکن مدد کی۔

میں اپنے شریک حیات کا دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک انتہائی پر سکون ماحول فراہم کیا جس کی بدولت میں اپنا تحقیقی کام بر وقت مکمل کر سکی اور اللہ پاک سب کو جزائے خیر دے۔ امین

حلیمہ سعدیہ

اسکالر ایم فل اردو

باب اول

وجاہت مسعود کا تعارف اور سوانح

الف۔ تمہید

i. موضوع کا تعارف

مجوزہ تحقیقی مقالہ وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری و فنی جہات کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ان کا شمار عصرِ حاضر کے اہم کالم نگاروں میں ہوتا ہے آپ ۱۹۶۶ءمیں پیدا ہوئے آپ نے گریجویشن گورنمنٹ کالج لاہور اورایم اے انگلش پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔وجاہت مسعود انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں پرنٹ، الیکٹرانک اور آن لائن جرنلزم سے وابستہ رہے۔فکری طور پر نیشنل عوامی پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں جسے فروری 1975 میں خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔۱۹۸۶ء میں عوامی نیشنل پارٹی ANP کے نام سے بحال ہوئی تو اس میں دوبارہ شامل ہوگئے لیکن جب ۱۹۸۹ء میں عوامی نیشنل پارٹی آئی جے آئی میں شامل ہوئی تو اس جماعت سے الگ ہو گئے اور اس کے بعد سے کوئی جماعتی وابستگی نہیں رکھی۔وجاہت مسعود ۱۹۸۸ء میں صحافت سے منسلک ہوئے۔

وجاہت مسعود سیاسی نظریات میں جمہوری، لبرل اور سیکولر ہیں۔جمہوری فریم ورک میں ان کا جھکاؤ سوشل ڈیموکریسی کی طرف ہے۔ان کی نظر میں اکیسویں صدی جمہوری فکر کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔کھلی منڈی کی معیشت میں استحصال کے امکان اور جمہوریت کو اکثریت کے استبداد میں تبدیل ہونے سے روکنا ہے۔

آپ قومی روزناموں جن میں The Post, The News اورAaj kal شامل ہیں ان کے ساتھ منسلک رہے اس کے علاوہ ماہانہ "نوائے انسان"، "روزنامہ مشرق" اور ہفتہ وار "ہم سحری" میں بطور ایڈیٹر کام سرانجام دیتے رہے۔آپ سیاسی نظریہ کار کے طور پہ Ptvاور ریڈیو پاکستان کے علاوہ مختلف پرائیویٹ

ٹیلی ویژن چینلز کے ساتھ منسلک رہے۔ آپ سیاست، تاریخ، ثقافت اور ادب کی بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ بیکن ہاؤس نیشنل یونیورسٹی میں جولائی ۲۰۱۵ء تک شعبہ تدریس سے بھی وابستہ رہے۔

وجاہت مسعود سماجی طور پر مکمل انسانی مساوات اور رواداری پر یقین رکھتے ہیں آپ ہر انسان کے انفرادی حق کو بھی تسلیم کرتے ہیں چاہے وہ کسی بھی عقیدے کا ہو۔ آپ ملکی اور بین الاقوامی قوانین میں طے کی گئی آزادیوں کو فرد کے حقِ انتخاب کے منطق سمجھتے ہیں جن میں خارجی مداخلت کی گنجائش نہیں۔ آپ کے کالموں میں جہاں دلکشی منفرد اہمیت کی حامل ہے وہیں آپ کے کالم عام فہم ہونے کی بناپر عوامی پسندیدگی کا بھی باعث بنتے ہیں۔ اردو میں وجاہت مسعود کی کالم نویسی مستقل حیثیت کی حامل ہے

وجاہت مسعود پچھلے ۳۰ برس سے قومی مسائل پر تقریر و تحریر کے ذریعے اپنی رائے بیان کر رہے ہیں ان کی متعدد تصانیف بھی شائع ہوئیں جن میں وجاہت مسعود ایک صحافی کی حیثیت سے کسی سیاسی وابستگی کے پابند نہیں ہیں۔وجاہت مسود اپنے ضمیر کی روشنی میں جمہوریت ،انسانی حقوق،شہری آزادیوں اور اظہارِ رائے جیسے معاملات پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ آپ تاحال E-paper Dunya Plustan.com اور اس کے علاوہ ۲۰۱۱ء سے ملک کے کثیر الاشاعت روزنامہ جنگ میں ہفتے میں دو کالم لکھ رہے ہیں۔ آپ نے ۳۰ اگست ۲۰۱۶ء کو ''سچا میڈیا'' ،''دوٹوک نوجوان'' اور ''خاموشی کی سازش'' کے عنوان سے کالم لکھے۔ اردو ادب میں اعلیٰ اور معیاری خدمات کے اعتراف میں ۶۶ ویں یومِ آزادی پر صدرِ پاکستان نے آپ کو Pride of Performance سے بھی نوازا اور اس کی تقریب ۲۳ مارچ ۲۰۱۶ء کو منعقد کی گئی تھی۔

ii. بیان مسئلہ

وجاہت مسعود وہ اہم شخصیت ہیں جنہوں نے کالم نگاری کے ذریعے سے اردو ادب میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے ان کے کالموں پر تاحال کسی بھی پہلو سے کوئی کام نہیں ہوا میری اس تحقیق کا مقصد وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری وفنی جہات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی کالم نگاری کا مطالعاتی تجزیہ پیش کرنا ہے۔

iii. مقاصد تحقیق

1۔ وجاہت مسعود کے اردو کالموں کا تجزیہ کر کے ان کے فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔

2۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرادیت اور خصوصیات کا تجزیہ کرنا۔

3۔ وجاہت مسعود کے کالموں کا لسانی تجزیہ کر کے زبان پر ان کی دسترس کو پیش کرنا۔

4۔ وجاہت مسعود کے کالموں کی انفرادیت اور ادبی افادیت کا تعین کرنا۔

iv. تحقیقی سوالات

مجوزہ تحقیق کے دوران مندرجہ ذیل سوالات سامنے رکھے جائیں گے۔

ا۔ وجاہت مسعود کے کالموں کے موضوعات کس نوعیت کے ہیں؟

۲۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرادیت کیا ہے؟

۳۔ وجاہت مسعود کے کالم کس حد تک کالم کے فن سے مطابقت رکھتے ہیں؟

۴۔ وجاہت مسعود کے کالموں کے موضوعات کے تنوع کی نوعیت کیا ہے؟

v. نظری دائرہ کار

وجاہت مسعود عہدِ حاضر کی اہم ادبی و صحافتی شخصیت ہیں جو گزشتہ ۳۰ سال سے صحافتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں ان کی کالم نگاری متنوع موضوعات سے مزین ہے مجوزہ موضوع تحقیق میں ان کے کالموں کا تجزیہ کیا جائے گا۔

vi. تحقیقی طریقہ کار

مجوزہ موضوع پر تحقیق کے لیے دستاویزی طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔ جس کے مطابق درج ذیل امور پیش نظر رہیں گے۔

الف۔ وجاہت مسعود اور ان کے اہل خانہ سے ملاقات اور انٹرویو

ب۔ معاصر کالم نگاروں کی رائے بذریعہ سوالنامہ

ج۔ معاصر ادبی جرائد میں شائع ہونے والے تبصرے اور تجزیے

د۔ سرکاری اور نجی کتب خانوں میں متعلقہ کتب سے استفادہ

vii. مجوزہ موضوع ما قبل تحقیق

وجاہت مسعود کے کالموں کی فکری و فنی جہات اپنی انفرادیت کے اعتبار سے ایسا موضوع ہے جس پر اس سے قبل کسی سکالر یا محقق نے کام نہیں کیا ہے۔ ان کے فن، ان کی شخصیت اور ان کے فن کی فکری و فنی جہات کے حوالے سے کسی بھی جامعہ میں کسی بھی سطح کا کوئی کام نہیں ہوا میری یہ تحقیق اپنی نوعیت میں پہلی تحقیق ہو گی۔ آپ انگریزی اور اردو زبانوں میں پرنٹ، الیکٹرانک اور آن لائن جرنلزم سے وابستہ رہے۔ آپ کے کالم انوکھے موضوعات کی وجہ سے بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ آپ کے کالم صفِ اول کے خبارات میں شائع ہوتے ہیں جن میں The News The Post ,Aaj Kal اور Daily Jung شامل ہیں مجوزہ تحقیق اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں کالم نگاری کا موضوعاتی اور فکری تجزیہ کر کے ان کو سامنے لایا جائے گا۔ یہ تحقیق کالم نگاری میں وجاہت مسعود کی شخصیت، مقام اور انفرادیت کو متعین کرنے میں معاون ہو گی۔

viii. تحدید

اس تحقیقی مقالے میں وجاہت مسعود کی صرف اردو کالم نگاری کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ مقالہ صرف ان کی کالم نگاری کی فکری و فنی جہات کے جائزے پر مشتمل ہو گا اور اس میں وجاہت مسعود کے منتخب کالموں کو زیر تحقیق لایا جائے گا۔

ix. پس منظری مطالعہ

پس منظری مطالعہ میں معاصر نثری ادب اور اس حوالے سے لکھے گئے تنقیدی مضامین، تبصروں، تجزیوں اور آراء کو پیش نظر رکھا جائے گا جو مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔

x. تحقیق کی اہمیت:

وجاہت مسعود روزنامہ جنگ کے کالم نگار اور ویب سائٹ ''ہم سب'' کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ وجاہت مسعود انگریزی اور اردو زبانوں میں پرنٹ، الیکٹرانک اور آن لائن جرنلزم سے وابستہ رہے۔ آپ قومی روزناموں جن میں The Post، The News اور Aaj Kal شامل ہیں سے وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ ماہانہ ''نوائے انسان''، روزنامہ ''مشرق'' اور ہفت روزہ ''ہم سحری'' میں بطور ایڈیٹر کام سرانجام دیتے رہے۔ آپ سیاسی نظریہ کار کے طور پر PTV اور ریڈیو پاکستان کے علاوہ مختلف پرائیویٹ چینلز کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ آپ سیاست، تاریخ، ثقافت اور ادب کی بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کے کالم صفِ اول کے قومی اور بین الاقوامی اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے کالموں میں دلکشی منفرد اہمیت کی حامل ہے اور عام فہم ہونے کی وجہ سے عوام میں پسندیدگی کا باعث بھی بنتے ہیں۔ مجوزہ تحقیق اس لحاظ سے بھی اہم ہوگی کہ اس میں وجاہت مسعود کی کالم نگاری کی فکری و فنی جہات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ یہ تحقیق کالم نگاری میں وجاہت مسعود کے ادبی مقام اور انفرادیت کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

ب۔ کالم نگاری کیا ہے؟ کالم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

کالم نگاری میں ایک کالم نگار زندگی کے ہر پہلو کو اپنے کالموں کا موضوع بنا سکتا ہے معیشت، سیاست، تاریخ، تعلیم، نفسیات، سائنس غرضیکہ معاشرے کے حالات وواقعات کا جس طرح اثر قبول کرتا ہے انہیں اپنے خیالات میں سمو کر الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔ اگرچہ موجودہ دور سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کا دور ہے پھر بھی پرنٹ میڈیا نے اپنی اہمیت و افادیت کو کسی بھی صورت میں کم نہیں ہونے دیا۔ ایک کالم نگار معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے جو معاشرے کو باریک بینی سے دیکھتا ہے اور اثر قبول کرتا ہے اور اپنے مخصوص اسلوب اور علامتی طرز تحریر سے حالات وواقعات کی سچی، کھری تصویر معاشرے کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اخبارات و رسائل و جرائد میں کالم نگاری کو خاصی وقعت حاصل ہے کیونکہ اخبار کا وجود کالم کے بغیر ممکن نہیں ہمہ گیر خصوصیات کی بنا پر دنیائے ادب اور دنیائے صحافت میں کالم کو ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو

ادب میں کالم نگاری نے گراں قدر خدمات کی ہے۔ دنیا میں دوسری تمام معروف زبانوں کی طرح اردو زبان میں روزانہ درجنوں اخبارات، رسائل و جرائد، شائع ہوتے ہیں اور ہر موضوع پر کالم اخبار میں موجود ہوتا ہے یہ سلسلہ تیزی سے ترقی کرتا رہا ہے اور کامیاب ہے اسی کامیابی کی صورت میں کئی کالم نویسوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں بہت سے کالم نویس دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہیں لیکن ان کا فن اور ہنر ان کی لازوال تحریروں میں موجود نظر آتا ہے۔ قدیم لاطینی زبان کا لفظ columna یونانی زبان کا لفظ columne اور جدید فرانسیسی زبان کا لفظ Colone سے کالم انگریزی میں آیا اور انگریزی زبان میں column ہے اس کے لغوی معنی حصہ، کھمبا، فوج کا دستہ، منظم انداز میں فوجیوں کا چلنا وغیرہ کے ہیں مختلف حصوں اور ٹکڑوں میں منقسم اخبار کے اس مخصوص حصے کو کالم کہتے ہیں اور اخباری کالم کے بہت سے مخصوص معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے مخصوص پس منظر کے تحت دی جانے والی مستقل عنوانات کی خبروں کو کالم کہتے ہیں۔ خصوصی کالم، خبریں یا مضامین لکھنے والے کو کالم نویس کہا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ کالم نویس کے پاس موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی وہ جس طرح چاہے مضمون کو اپنے الفاظ میں باندھ سکتا ہے اور حقائق سے پُر معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ اساتذہ کرام، صحافت کے ماہرین اور دیگر لوگوں نے کالم کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے بقول

"مختلف لکھنے والوں کے کالم چونکہ بالکل مختلف تحریروں پر مبنی ہوتے ہیں۔ مثلاً ذیڈ۔ اے۔ سلیری کا کالم م۔ ش۔ کی ڈائری سے مختلف ہوتا ہے اور میرا کالم ان دونوں سے جدا ہے اس لئے کالم کی کوئی ایک تعریف نہیں کی جا سکتی۔" (1)

کالم میں ہمیشہ شخصی رنگ غالب ہوتا ہے جس میں کالم نویس کا بے تکلفانہ، بے ساختہ، براہِ راست خطاب تحریر میں موجود ہوتا ہے اور سیدھے سادھے عام الفاظ میں زندگی کی حقیقتوں کو بیان کیا جاتا ہے اس میں کالم نویس اپنی ذات اور انفرادیت، اپنے خیالات اور اپنے تصورات کی آمیزش سے دنیاوی معاشرت کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

صحافتی معنی

کالم کا لفظ اخباری صنعت میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اخبار کی عمودی تقسیم کو کالم کہتے ہیں کالم نویس اخبار میں اپنے اصل نام یا قلمی نام کے تحت مستقل عنوان سے تحریر شائع کرواتا ہے جو باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں آج کل قومی اخبارات میں مختلف عنوانات کے ساتھ بے شمار کالم شائع ہو رہے ہیں اور ہر کالم نویس اپنے تجربے، مشاہدے اور علمی پس منظر کے تحت منفرد اسلوب میں کالم تحریر کرتا ہے جس سے قارئین اخبار کی دوسری اصناف کی نسبت کالم کی رنگا رنگ اور متنوع طرز نگارش کی دنیا میں آنا پسند کرتا ہے۔ کالم اخبارات کی اشاعت کے اضافے میں ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ کالم جدید دور کی تنوع پسندی اور ماضی کی شخصی صحافت کا آئینہ دار ہے اس کے علاوہ کالم کی کئی اقسام بھی ہیں جیسے مزاحیہ یا فکاہی کالم، ذاتی اداریہ نما کالم، تخصیصی کالم ۔

فکاہی یا مزاحیہ کالم میں کالم نویس اپنے قارئین کی تفریح طبع کے لیے طنز و مزاح کے پیرائے میں لطائف، پیروڈی اور زندگی کے مضحکہ خیز اور مزاحیہ پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور کالم نویس کی یہ خوبیاں اپنے قارئین کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہے۔ اس کی مثالیں" نوائے وقت" میں پروفیسر محمد سلیم کا "سرراہے" اور روزنامہ "جنگ" میں نصر اللہ خان کا "ادب عرض" اور ڈاکٹر یونس بٹ کا "عکس بر عکس" ہے۔ ذاتی اداریہ نما کالم میں کالم نویس اپنی آراء اور ذاتی افکار کو اظہار کا وسیلہ بناتا ہے اور اس میں کالم نویس کی اپنی شخصیت کا عکس دکھائی دیتا ہے وہ کالم میں طنز و مزاح کا عنصر بھی رکھ سکتا ہے یا سادہ اور منطقی انداز بھی اپنا سکتا ہے اس میں لا محدود موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ اس کی مثالیں روزنامہ "جنگ" میں عطاالحق قاسمی کا کالم" روزن دیوار سے" اور اس کے علاوہ بھی کالم شامل ہیں۔

تخصیصی کالم میں کالم نویس اپنے کالم کو کسی ایک شعبہ زندگی یا خصوصی علم کے لیے مختص کر دیتا ہے۔ ان میں دینی، قانونی، علم فلکیات، ستاروں کے بارے میں، کھیلوں کے متعلق، امورِ خانہ داری کے متعلق، فیشن

کے بارے میں غرضیکہ زندگی کے کسی ایک شعبے کو اپنا کر اس میں اپنے علم و تجربے، مشاہدے، خیالات و افکار اور آراء کو پیش کرتا ہے ان میں سادہ زبان، عام فہمی اور براہ راست منتخب موضوع پر تبصرے اور خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شخصی رنگ یا ادبی چاشنی کا پہلو نہیں ہوتا ایسے کالم پیشہ وارانہ کالم بھی کہلاتے ہیں۔ ذاتی ڈائری نما میں کالم نویس اپنی ذات اور تجربے سے وابستہ عنوانات کو زیرِ بحث لاتا ہے اور انہی موضوعات پر بات کرتا ہے جس میں فلسفیانہ اور ادیبانہ انداز موجود ہو اور ایسے مخصوص ہوتا ہے جیسے وہ اپنی ذاتی ڈائری لکھ رہا ہو۔

ج۔ صحافت کا آغاز

صحافت کا آغاز برصغیر پاک و ہند میں انیسویں صدی کے ربع آخر میں ہوا تھا۔ جتنے بھی اخبارات اس دور میں شائع ہوئے وہ سب کے سب انگریزی اخبارات تھے۔ یہ اخبارات ان یورپی افراد نے شائع کیے تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حلقہ احباب سے کسی نہ کسی طور نالاں اور افسردہ تھے۔ صحافت کا کوئی باقاعدہ اور باضابطہ قانون نہیں تھا۔ بعض دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی معلومات کے ذخیرے کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا۔

> "ہندو حکمرانوں نے ایک ایسا باقاعدہ شعبہ قائم کر رکھا تھا جس کے کارکن اندرون ملک اور بیرون ملک سے معلومات حاصل کرتے تھے۔"(۲)

مغلیہ حکومت کے دور میں بھی خبروں اور معلومات کے حصول کے لیے مختلف شعبہ جات مقرر کیے گئے جس میں ایک شعبہ "خبریں" اکھٹی کرتا تو دوسرا شعبہ تقریبات، واقعات اور شکایات کو قلمبند کر کے خبر ناموں کی صورت میں دربار میں پیش کرتا۔ لیکن جہاں تک مروجہ اور باقاعدہ اخبار نویسی کی بات ہے تو اس کا آغاز انگریزوں نے کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں ۲۹ جنوری ۱۹۸۰ء میں James Augustus Hicky نے Advertiser کے نام سے جاری کیا جو Hicky's Gazeue کہلایا۔ اس کے علاوہ مقامی زبانوں میں بھی

اخبار نویسی کا سلسلہ بھی شروع ہوا یعنی ۱۸۱۸ء میں بٹیسٹ مشن کے ایک رکن جس کا نام ڈاکٹر مارٹن مین نے ایک اخبار ڈگ درشن بنگالی زبان میں جاری کیا اس کے بعد سیر ام پور میں سماچار درپن کا اجراء ہوا یہ عیسائی مشنریوں نے جاری کیا اس کے علاوہ ایرانی، فارسی، ہندی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں اخبار شائع ہوتے رہے۔

فارسی کے بطن سے صحافت نے جنم لیا۔ "جام جہاں نما" کے نام سے ایک اخبار اردو زبان میں ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے نکلا اور چند ہی ہفتوں میں اس کی زبان تبدیل کر کے فارسی کر دی گئی۔ ۱۹۳۶ء میں ایک اور اخبار "دہلی اردو اخبار" جاری ہوا اور اتنا مقبول ہوا کہ بر صغیر کے مختلف علاقوں نے جلد ہی متعدد اخبارات نکل آئے۔ مولوی باقر علی کی شخصیت ایک کارکن کی حیثیت رکھتی تھی اور انہوں نے مذہبی تبلیغ کے لیے ایک اور اخبار "مظہر الحق" کے نام سے بھی جاری کیا جو ۱۸۲۸ء میں جاری ہوا اور ۱۸۴۳ء میں بند ہو گیا۔

"سید الاخبار" سر سید احمد خان کی صحافت کا نکتہ آغاز ہے اس کے قبل اس کے مدیر ان کے بڑے بھائی سید محمد خان تھے اور ان کی وفات کے بعد سر سید احمد خان اس کے مدیر بن گے۔ سید جمیل الدین خان نے اسی دور میں "صادق الاخبار" جاری کیا لیکن اردو کی ادبی صحافت کا آغاز رسالہ "خیر خواہ ہند" سے ہوا جو پادری آر سی ماتھر نے ۱۸۳۷ء میں مرزا پور سے جاری کیا اور اس کے بعد دہلی کالج کے پرنسپل اشپر نگر نے ۱۹۴۵ء میں رسالہ "قرآن السحدین" کا اجراء کیا جس میں ادب، سائنس اور سیاست پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ علمی، ادبی اور سائنسی مضامین پر ایک اور رسالہ "خیر خواہ ہند" (محبِ ہند) کے نام سے ماسٹر رام چندر نے جاری کیا لیکن "خیر خواہ ہند" کو اردو کا پہلا ادبی ماہنامہ شمار کیا جاتا ہے جو پادری آر سی ماتھر نے جاری کیا تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل کے اخبارات کی تعداد اگرچہ محدود تھی لیکن اس کا حلقہ اثر خاصا وسعت انگیز تھا۔ ان اخبارات نے قومی نظریے کو ابھارنے اور انگریزوں کے اخبارات میں موجود ان کے رویوں کے خلاف آواز بلند کی۔

۱۸۵۷ء عہد سر سید کی مسلم صحافت پر سقوط دہلی پر کاری ضرب لگائی اور بیشتر اخبارات بند کر دیئے گئے اور عہد سر سید کی صحافت کو انگریز شبہات کی نظر سے دیکھتے تھے اور ہندو پریس کی سرپرستی کرتے تھے۔ لیکن اس دور کے اخبارات میں ایک معمولی تبدیلی یہ ہوئی کہ سائنسی معلومات کو فروغ دیا جانے لگا۔ ۱۸۵۷ء عہد سر سید میں ہی منشی نولکشور نے ہفت روزہ "اردو اخبار" جاری کیا جو ۱۸۷۴ء میں روزنامہ اخبار کی شکل اختیار کر گیا بہت سے ادباء مرزا خیرت دہلوی، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر اور دیگر اس اخبار میں سنجیدہ، تنقید، مدئل اور تمام مباحثِ رخ اس اخبار کے ساتھ منسلک رہے اور سماجی صورت حال کی عکاسی کرتے تھے۔ سر سید احمد خان کی صحافت کا مقصد جدید علوم کا فروغ اور اخبارات کے ذریعے حکمرانوں تک مسلمانوں کی آواز پہنچانا تھا۔ رسالہ "تہذیب الاخلاق " کا اجراء بھی اس مقصد کا مرہون منت تھا۔

بقول بول چند:

> " اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ۱۸۵۰ء سے پہلے کے بعض اردو اخبارات کے نام گنوا دیئے جائیں۔ لیکن حقیقت میں پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ کا آغاز لاہور سے ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء کے کوہِ نور کے اجراء سے ہوا۔ "(۳)

ایک اخبار "کوہ نور" کسی خاص فرقے، قبیلے یا گروہ کے لیے نہیں تھا یہ تمام مذہب و ملت کے لوگوں کے لیے یکساں افادیت کا حامل تھا۔ اس کے کالم ہر طرح کے مضامین اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔ مثلاً سیاسی اور انتظامی مسائل ہوں یا ہندو بیوہ کی دوسری شادی کا مسئلہ حتیٰ کہ مذہبی اور سماجی نقطہ نظر سے بھی بحث کی گئی تھی۔ اخبار "کوہ نور" کی زبان نکھری اور سنوری ہوئی تھی جب کہ اس وقت کے اخبارات کی زبان ادبی نہ تھی۔ "کوہ نور" اخبار ایک کامیاب اخبار ہونے کے ساتھ ساتھ ہر دلعزیز اور کثیر الاشاعت بھی تھا۔

۱۸۵۷ء تک "کوہِ نور" اخبار کے محاصرین "دریائے نور" "خورشید عالم" "نور علیٰ نور" "باغ نور" تھے اس میں کامیاب ترین اخبار "نور علی نور" تھا یہ ۱۹۸۵ء میں بمبئی سے نکلنا شروع ہوا۔ اس میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھے جاتے تھے۔ جن میں ہیئت، حساب، ہندسہ، جغرافیہ، حیوانات، معدنیات، تہذیب الاخلاق،

طلسمات، قانون، تجارت، پیداوار، ملک، لطائف وظرائف، عمارات وانہار کے علاوہ اور بھی دیگر موضوعات شامل تھے۔ ایک مضمون ریاست کے متعلق تھا جس میں ریاست کے انتظام کے متعلق اخلاقی اصول بتائے گئے تھے اور اس مضمون کا عنوان "ذکر ریاست وانتظام آں" تھا۔

"خورشید پنجاب" یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں لاہور سے جاری ہوا اس کا اولین مقصد تعلیمی نظام کو فروغ دینا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے "خورشید پنجاب" میں تعلیم سے متعلق بہت سے مضامین لکھے گئے جن میں اخلاقی، علمی، تاریخی و جغرافیائی اور سائنسی موضوعات شامل تھے۔ یہ مجلہ مکمل طور پر ادبی تھا۔ اس میں عام خبریں نہیں دی جاتی تھی صرف اور صرف علمی و ادبی مضامین پر مشتمل تھا یہ کب تک جاری رہا اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

۱۸۵۷ء جنگ آزادی کے بعد کی صحافت

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کو بے شمار مصائب اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ آزادی میں برصغیر کی کئی اقوام شریک تھیں لیکن انگریزوں کے عتاب اور نقصان کا اثر زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑا کیونکہ مسلمان اس میں پیش پیش تھے۔ ۸ جولائی ۱۸۵۷ء کے لاہور کرانیکل میں لکھا تھا کہ

> "اب اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ اس بغاوت کی تہہ میں مسلمانوں کی سازش کار فرما ہے۔ انہیں شدید سے شدید سزا دینی چاہئے کیونکہ یہ جب تک مسلمان ہیں اپنی رائے کو نہ بدل سکتے ہیں نہ بدلیں گے۔" (۴)

جنگ آزادی کی ناکامی کی صورت میں اردو صحافت تو بالکل ختم ہو کر رہ گئی اس ناکامی کے خوفناک نتائج پنجاب پر کم رہے لیکن پنجاب کے لوگ خصوصاً مسلمان بہت خوف زدہ رہے اور یہاں سے جاری ہونے والے اخبارات کی تعداد کم ہو گئی۔ ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری اخبار ماہنامہ حکومت کے اہتمام کے زیر اثر لاہور سے جاری ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں اسی ماہنامہ کا ضمیمہ "سرکاری اخبار" لاہور سے ماہنامہ کی صورت میں نکلا۔ اخبار "کوہ

نور" کے مدیر و مالک منشی ہر سکھ رائے ماہنامہ "گنج شائگان" ۱۸۶۰ء میں جاری کیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ دیگر افراد میدان صحافت میں آگے اور پنجاب کا دارالحکومت لاہور جلد ہی صحافت کا بڑا مرکز بن گیا۔ منشی محبوب عالم پنجاب میں باقاعدہ اور مقبول عام صحافت کا بانی تھا اس نے "پیسہ اخبار" نکالا اور اس سے قبل صحافت کی داغ بیل "اخبار عام" نے ڈالی۔ اردو صحافت کو مقبول اور ہر دلعزیز بنانے اور اخباروں کی خواندگی کو عوام الناس تک پہنچانے میں "اخبار عام" نے پہل کی اور قدم جمائے۔ پاکستان و ہند کی صحافت میں پیسہ اخبار اور عام اخبار نے اپنی جگہ تو ضرور بنائی لیکن اس کے قبل جن روزناموں کا ذکر ہے۔ ان میں روزنامہ پنجاب، شفیق ہند کے ضمیمے "نسیم صبح" اور "شام وصال" شامل ہیں۔ پنجاب میں جو روزانہ اخبارات انیسویں صدی میں جاری ہوئے وہ ہفت روزہ اور سہ روزہ اخبارات تھے۔ لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو جو قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے منظور ہوئی اس میں پاکستان کا لفظ شامل نہ تھا اس کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلم اکثریت کو الگ ریاست کی حیثیت سونپ دی جائے تاکہ وہ اپنے نظریات کے مطابق آزادانہ اپنی مرضی سے زندگی گزار سکیں۔ لیکن اس کے بعد ہندوستان کے تمام اخبارات میں ہندو مسلم تنازعہ طول پکڑ گیا اور اخبارات میں یہ بحث پروپیگنڈا کی صورت اختیار کر گی کہ مسلمان ایک ریاست پاکستان بنانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> "۱۹۴۰ء میں قرارداد لاہور منظور ہوئی مسلم لیگ نے اسے پاکستان کا نام نہ دیا اور کافی عرصہ قائداعظم قرارداد لاہور کا ذکر کرتے رہے انہوں نے پاکستان کا لفظ استعمال نہ کیا لیکن ہندو اخبارات نے اس لفظ کو اتنا اچھالا کہ قائداعظم نے یہی نام اپنا لیا۔ اگر ہندو صحافت پاکستان کا نام نہ اچھالتی اور اگر وہ قومی زاویہ نگاہ سے سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرتی تو شاید پاکستان اتنے جلدی نہ بنتا۔"(۵)

قیام پاکستان سے قبل کے چند سالوں میں جن اخبارات و جرائد نے اپنی اپنی استعداد اور پالیسی کے تحت ملکی سیاست اور ادب میں حصہ لیا اس میں پنجاب کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے روزانہ اخبارات

شامل ہیں۔ ان میں اردو، انگریزی، ہندی، گورمکھی شامل ہیں۔ اسی سلسلے میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو حمید نظامی (مرحوم) نے پندرہ روزہ نوائے وقت جاری کیا اور اس میں دیگر ادیبوں اور صحافیوں کا تعاون حاصل رہا جن میں ڈاکٹر جمال بھٹہ، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر شیر حسن وغیرہ۔ حمید نظامی صاحب اخبار کے صفحہ اول پر "غریب شہر" کے قلمی نام سے "سخن ہائے گنتی" کا کالم لکھتے تھے اور اندرونی صفحات پر "جانی کیا سوچتی ہے" کے نام سے مستقل کالم لکھتے ہیں۔ اس اخبار کے ذریعے ہندوؤں کے ناپاک عزائم سے مسلمانوں کو باخبر رکھنا اور دوسری طرف سیاسی صورت حال سے بھی آگاہ کرنا تھا۔

بقول ڈاکٹر محمد باقر:

"حمید نظامی مرحوم کے قلم کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ دو مرتبہ کلکتہ کے مشہور اخبار سٹیمٹیمن نے اس کالم کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے شائع کیا۔"[۶]

حمید نظامی کے کالم "لیل و نہار" اور "جہاد" کے نام سے بھی چھپتے تھے۔

بیسویں صدی کی صحافت نے سیاسی، ادبی اور معاشرتی واقعات میں جنم لیا۔ اس دور کی صحافت میں ایک ادبی سرگرمی اس کے پس پردہ موجود تھی جو حالات و واقعات میں ایک تیز لہر کی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت جن لوگوں نے صحافت کے پیشے میں قدم رکھا ان کے اندر بیک وقت صحافی، ادیب، شاعر، مصلح اور سب سے بڑھ کر قومی رہنما کی روح موجود تھی۔ یہ ایک مجلاتی صحافت کا دور تھا جس نے خبر کے ساتھ ساتھ فکر و نظر اور فن کو بھی اہمیت بخشی۔ "مخزن" رسالہ جاری ہوا جس نے ایک تحریک پیدا کی اور دوسرا اہم رسالہ اس وقت "اردوئے معلیٰ" تھا۔ مولانا حسرت موہانی نے ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے "اردوئے معلیٰ" جاری کیا۔ یہ رسالہ قوم کی آواز کو بڑی بے باکی اور حق گوئی سے بیان کرتا رہا۔ جس کے تحت مولانا حسرت موہانی کو قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑی۔ یہ رسالہ ادب اور سیاست میں حریت فکر اور آزادی اظہار کی شمع جلاتا رہا۔

مولانا عبد الکالم آزاد نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" رسالہ جاری کیا جو ۱۹۱۴ء تک جاری رہا۔ صحافت کے میدان میں اس رسالہ نے اسلامی اور فنی پہلوؤں کو پورے وثوق کے ساتھ بیان کیا۔

اس رسالے میں دین و دنیا میں کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے ملک و قوم کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی تلقین کی اور مسلمانوں کو خیر کی علامت قرار دیا۔ محمد علی جوہر نے ہندو، انگریزوں اور مسلمانوں سب کو اپنے اپنے اندر کی خوبیاں اور خامیاں پہچاننے میں ان کی مدد کی۔ اس کے علاوہ بہت سے ادیب، صحافی، شاعر اور پیشے میں اپنی اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتے رہے ان میں مولانا ظفر علی خان جنہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز اخبار "زمیندار" جو مولوی سراج الدین نے نکالا تھا اس سے کیا اور دکن میں ملازمت کے دوران بھی انہوں نے اپنے رسالے "رسالہ دکن دیویو" (۱۹۰۴ء) اور "ستارہ صبح" ۱۹۱۷ء میں جاری کیے۔ اس رسالے نے بھی مسلمان قوم کی خوداعتمادی، جرات مندی اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے میں کافی مدد کی۔ لیکن جلد ہی یہ اخبار زوال پذیر ہو گیا۔ مولانا غلام رسول مہر اور عبد المجید سالک نے بھی صحافت کے ذریعے سیاسی اور فکری مواد کو ادبی اسلوب میں پیش کر کے سنجیدگی اور میانہ روی کو ابھارا اور فروغ ادب میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔

سید سیلمان ندوی کی خدمات بھی تاریخی، سوانحی، تہذیبی اور تمدنی یعنی ہر صورت میں ملک، ملت اور مذہب کی خیر خواہی میں سرگرم عمل رہیں۔ ان کا مقصد بھی صرف اور صرف مسلمان قوم کی کامیابی اور کامرانی ہی تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اعظم گڑھ ۱۹۱۶ء سے "معارف" رسالے کا اجراء کیا یہ رسالہ عقائد اسلام اور ندوۃ المصنفین کا ترجمان تھا۔ مولوی عبد الحق نے ادبی رسالہ "اردو" جو حیدر آباد دکن سے ۱۹۲۱ء میں جاری کیا اس میں اردو ادب کے لیے گرانقدر خدمات شامل ہیں جو کہ اب تک مسلمانوں کی رہنمائی کرتی چلی آرہی ہیں۔ اس کے علاوہ نیاز فتح پوری نے ۱۹۲۱ء میں لکھنو سے "نگار" رسالہ جاری کیا جس نے ادبی اصناف کے علاوہ تنقید کو موضوع فکر ٹھہرایا۔ میاں بشیر احمد نے رسالہ "ہمایوں" کا اجراء ۱۹۲۲ء میں کیا جس نے آزادی سے پہلے تو بہت ادبی خدمات سرانجام دیں لیکن تحریک آزادی کے بعد نئے مزاج اور ماحول کے سانچے میں نہ ڈھل سکا۔ "نیرنگ خیال" حکیم یوسف خان کا رسالہ جو نیازمندان لاہور کے ترجمان کی حیثیت سے

۱۹۲۴ء میں جاری رہا اور اس رسالے نے ادبی اصناف کی خدمات کے علاوہ اپنے دور میں پیش آنے والے حادثات وواقعات کو بھی "نیرنگ خیال" کے صفحات میں ادبی ہنگاموں کی صورت میں پیش کیا۔ "ادبی دنیا" یہ بھی ایک ادبی پرچہ تھاجو مولانا تاجور نجیب آبادی نے نکالا اور اس کو ادبی حیثیت مولانا صلاح الدین احمد نے دی اور اس پر پیشتر ترجمانوں نے نئے ادب کے لیے تربیت حاصل کی۔ جن میں کرشن چندر، ممتاز مفتی، راجندر سنگھ بیدی، میراں جی، قیوم نظر اور دیگر شامل ہیں اور یہ ۱۹۷۳ء میں حالات وواقعات کے کھٹن مراحل سے نہ گزر سکا اور بالا آخر بند ہو گیا۔ قیام پاکستان کے بعد پنجاب میں روزانہ اردو صحافت نے حیرت انگیز اور خوشگوار انقلاب پیدا کیا جس سے پنجاب اردو صحافت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ اس میں "مغربی پاکستان"، "سفینہ"، "آغاز"، "طاقت"، "صوت الحرم"، "تسنیم"، "الفضل"، "امروز"، "روزنامہ غازی"، "روزنامہ مہاجر"، "روزنامہ غالب"، "روزنامہ آفاق"، "ملت"، "آثار"، "مشور"، "ہلال پاکستان"، "کوہستان"، "روزنامہ حجالات"، "وفاق "، "مشرق"، "ندائے ملت"، "جاوداں"، "مساوات"، "روزنامہ سیاست"، "جمہور"، "روزنامہ صداقت"، "سعادت اور ڈیلی بزنس" رپورٹ شامل ہیں۔ یہ تمام اخبارات کسی نہ کسی طرح ہر پہلو کو اپنے مضمون کی صورت میں اخبار کی زینت بناتے رہے۔ کبھی اسلامی تاریخ اور شخصیات اور اکابر اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرنا اور کبھی ملکی وسیاسی حالات کو موضوع بحث بنانا اور تلخ حقائق کو معاشرتی مسائل کو بڑے ہی منصفانہ اور ہلکے پھلکے انداز میں بیان کرنا، یہ تمام خصوصیات ان اخبارات کی ہی زینت بنی۔ ان میں بیشتر اخبارات وقت کی چکی میں پستے رہے اور اپنی ساکھ کھو بیٹھے۔

د۔ وجاہت مسعود تعارف اور سوانح

i۔ پیدائش

وجاہت مسعود ۱۳ اگست ۱۹۶۶ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا تعلق سندھ سے تھا اور والد کا تعلق پنجاب سے تھا۔ مشرقی پنجاب کا مہا جاخان بہادر لوئر میڈل کلاس غریب طبقہ سے تعلق تھا۔ بچپن

زیادہ اپنے دادا جان کے ساتھ گزرا۔ دکاندار گھرانہ تھا اور تجارت سے شغف تھا۔ اس وقت وہاں کے علمی اثرات اچھے نہیں تھے۔ زندگی اچھے برے لوگوں کا مجموعہ ہے۔

"گوجرانوالہ میں استاد اچھے ملے لیکن وہاں کا ماحول زیادہ تہذیبی و علمی نہ تھا جیسے بتایا کہ ماحول تجارت کا تھا۔ ان کی تربیت میں پھپھو جان کا کردار ایسا تھا جیسے ایک بچے کو ذمہ دار شہری بنانا۔"(۷)

ii۔ تعلیم

ابتدائی تعلیم ہائی سکول گوجرانوالہ سے حاصل کی اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے اور پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ایم۔اے کیا۔ برطانیہ کی لیڈز یونیورسٹی سے انسانی حقوق سے متعلق بین الاقوامی اور یورپی قانون میں ایل۔ایل۔ایم کی سند حاصل کی۔ ۱۹۹۴ء میں جمہوری کمیشن برائے انسانی حقوق کے بانی رکن منتخب ہوئے۔ صحافت کے شعبے میں اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان کی جانب سے ۲۰۱۵ء میں آپکو صدارتی تحفہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں والٹن کیمپ نہیں مکیا (پنجابی شاعری) ۲۰۰۲ء، تنقیدی شعور کیا ہے ؟۲۰۰۳، نصاب گل، جمہوریت کے سو سال ۲۰۰۵ء، سیکولرازم کیا ہے ۲۰۰۶ء، جمہوریت کیا ہے ؟۲۰۰۷ء، محاصرے کا روزنامچہ ۲۰۰۸ء، طالبان یا جمہوریت ۲۰۰۹ء اور محاصرے کا روزنامچہ [1] ۲۰۱۷ء

Profiles in vulnerability (Study of female Prisoners in Punjab –English language) 1999

Report of Human Rights situations in the Rural communities of Pakistan (English & Urdu Language 1996

اس کے علاوہ کچھ تراجم بھی موجود ہیں جن میں سہر وردی کی سیاست بیتی اور The World of Conquerors 1993 ، کشمیر اور انتقالِ اقتدار ۱۹۹۴ء ،Capative Freedom 1995،نو انعام یافتگان کے افسانے ۲۰۰۲ء، امن کیا ہے ۲۰۰۴ء شامل ہیں۔

iii۔ ملازمت

آپ نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز تدریس کے شعبہ سے کیا۔ پنجاب ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں انگریزی زبان میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ آپ نے ۱۹۹۱ء میں تدریس کے شعبہ کو خیر آباد کیا اور جمہوری کمیشن برائے انسانی حقوق کا شعبہ اپنایا۔ اسی دوران ۱۹۹۹ء تک آپ نے سوئیزرلینڈ میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں بطور استاد اپنے فرائض سرانجام دیئے۔ ۲۰۰۲ء میں اقراء یونیورسٹی میں لیکچرار کے فرائض سنبھالے۔ بعدازاں اپنے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے School of Media and Mass Communication Beacon House National University لاہور میں تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔ آپ صحافت اور تدریس سے پیشہ وارانہ طور پر ہمیشہ منسلک رہے۔ ادبی زندگی کی ابتداء میں آپ شاعری کرتے تھے۔ آپ نے اپنی پہلی شاعری ۱۹۸۱ء میں ملتان سے نکلنے والے اخبار "سنگ میل" میں شائع کرائی۔ فیچر سے شغف تھا لیکن سیاست سے گہری دلچسپی کے باعث آپ کو محسوس ہوا کہ شعر وشاعری میرا موضوع نہیں ہے۔ چونکہ سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے کے لیے مالی وسائل کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے اس صورت حال کے پیش نظر آپ نے اپنی ادبی اور صحافتی زندگی کے آغاز پر کالم کو اپنا موضوع بحث بنایا۔ ۱۹۸۹ء میں پہلا انگریزی اخبار "دی نیشن" میں ادبی موضوعات پر لکھنا شروع کیا اور پھر "روزنامہ جنگ" میں باقاعدہ کالم لکھنے شروع کیے۔ آپ نے سندھ ،KPK میں انسانی حقوق کی تعلیم پر زور دیا جس کی بدولت آپ کی کتاب "نصابِ گل" شائع ہوئی۔ ابتداء میں وجاہت مسعود نے شعر وسخن سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا اور سب سے پہلے ۱۹۸۱ء میں ملتان سے جاری ہونے والے اخبار "سنگ میل" میں اپنی شاعری شائع کرواتے تھے لیکن جلد ہی انہیں احساس ہوا کہ سیاست میں آنے کے لیے مالی وسائل کا ہونا ضروری ہے

آپ نے اپنے احساسات و جذبات اور خیالات کا اظہار کیا لیکن ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ آپ جمہوریت پر زیادہ شوق سے لکھتے ہیں جمہوریت کا موضوع آپ کا پسندیدہ ترین موضوع ہے۔ آپ نے قارئین کی پسندیدگی کے پیش نظر اپنے کالم نہایت عام فہم اور سادہ زبان میں لکھے۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ہماری پاکستانی قوم دنیا کی دوسری نمبر پر قوم ہے جس میں ناخواندہ افراد کی تعداد زیادہ ہے اس لیے آپ نے قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر آسان اور دلکش موضوع کو اپنا حاصل بحث بنایا ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے بتایا کہ آپ انسانی مساوات، رواداری، جمہوریت کے قائل ہیں۔ آپ ذات پات، حسب نسب، قبیلے کے فرق میں نہیں پڑتے۔ آپ کھرے کھوٹے کی معیار پر جانچ پڑتال کا ترازو رکھتے ہیں اور اسی طرح آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اچھے برے لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔ آپ نے سیاست، علم و ادب، تاریخ، معاشرت، ثقافت غرض ہر پہلو پر انفرادیت سے لبریز کالم لکھے۔ آپ کے کالم منفرد اور انوکھے موضوعات کی بدولت قارئین کی دلچسپی کے باعث بنتے ہیں۔ آپ اعلیٰ پائے کے قومی روزناموں جن The News, The Post، آج کل شامل ہیں ان سے وابستہ رہے اور ماہانہ "نوائے انسان" اور "ہفتہ وار"، "ہم سحری" میں بطور ایڈیٹر خدمات سرانجام دیں۔ اور ویب سائٹ "ہم سب" کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔ لیکن آج کل آپ روزنامہ جنگ میں ہفتے میں دو کالم لکھ رہے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ آپ کو اپنے موضوعات پر زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور جب کبھی تھوڑا بہت تنقید کا سامنا کیا بھی تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ نئی نسل جس بے راہ روی کی طرف جا رہی ہے اس میں نئی نسل سے زیادہ پرانی نسل کا قصور ہے کیونکہ کم پڑھے لکھے لوگ اپنی صلاحیت اور اہلیت سے مکمل طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتی، اخلاقی اقدار سے عاری ہوتی ہیں اور ملک میں ظلم و بربریت اور فساد کا برپا ہونا ہماری نئی نسل کے عقل و شعور پر پردہ ڈال دیتی ہے جس کی بدولت معاشرے کا نظام درہم برہم رہتا ہے۔ آپ کے کالم میں فصاحت و بلاغت، جامعیت، اختصار پسندی، سلاست، دلچسپی کا عنصر شامل ہے۔ جو آپ کی تحریروں کو دوسروں سے منفرد اور ممتاز بناتی ہیں آپ کی تحریروں میں موجود اسلوب قارئین کی دلچسپی کا عنصر ہے آپ آسان انداز اور الفاظ میں کھری اور سچی بات کہہ دیتے ہیں کہ آپ کی تحریر کا خاصہ یہ ہے کہ یہ قاری کے ذہنی

افق کو وسیع تر کرتی ہے اور "اجمل کمال" کا خیال ہے جو چیز آپ کی تحریروں کو منفرد بناتی ہے وہ عمدہ نثر اور متن کا اندازِ بیان ہے۔ آئی۔اے۔رحمان کا خیال ہے کہ وجاہت مسعود کے کالم نویس ہونے میں زبان و بیان پر عبور ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست، تاریخ اور ادب کا وسیع تر مطالعہ شامل ہے غرض یہ کہ وجاہت مسعود نے زبان و بیان پر مکمل دسترس کے باوجود اتنی آسان اور عام فہم زبان استعمال کی کہ ان کے کالم قارئین کی دلچسپی کا مرکز بنتے ہیں۔

iv۔ ازدواجی زندگی

آپ نے اپنی ازدواجی زندگی کے فیصلے اپنی مرضی اور خوشی سے کیے۔ پہلی شادی آپ کی ۱۹۸۸ء میں ہوئی وہ بھی آپ کی مرضی سے ہوئی۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا آپ کی پہلی بیوی سے ۱۹۹۱ء میں علیحدگی ہوگئی۔ پہلی شادی سے آپ کا ایک بیٹا ہے جو کہ دبئی میں رہائش پذیر ہے اور نوکری بھی کر رہا ہے اور اس سے آپ کا تعلق برقرار ہے۔ دوسری شادی آپ نے ۱۹۹۳ء میں تنویر جہاں سے کی. تنویر جہاں ۲۹ جون ۲۰۰۳ء سے Democratic Commission for Human Development کی Executive Director ہیں اور ان میں سے ایک بیٹی ہے جو ڈاکٹر کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

ر۔ معاصر کالم نگاری

معاصر کالم نگاری کی ہم بات کریں تو ہر دور میں ادیب ایک عام آدمی کی نسبت حالات و واقعات اور اس کے زیرِ اثر آنے والے اثرات کو بہت جلد محسوس کرتا ہے اور گہرائی تک اس کا معائنہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے ہر شاعر اور ادیب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ماحول اور معاشرے پر اثر انداز ہونے والے اثرات سے انسانوں کو آگاہ کرے اچھے یا برے اثرات تمام ذی روح پر ضرور اپنا اثر چھوڑتی ہے ہر دور میں تقاضے اور ضروریات الگ الگ ہوتے ہیں جنگ آزادی سے قبل جو دور ہندوستان میں گزرا اس کا اثر وہاں کے لوگوں سے کس طرح قبول کیا وہ اثر اس وقت کے شاعر اور ادیب نے اپنے مضامین میں ضرور لکھا۔ خوف و ہراس،

ناامیدی، محرومی ان کے اشعار اور مضامین میں جابجا نظر آتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ جس طرح وقت نے اس زنجیر کو توڑا اور الگ وطن کا مطالبہ کیا گیا تو لوگوں میں امید اور زندگی کی لہر دوڑ گئی الغرض دور کوئی بھی ہو ہر انسان ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اندر وقت کو پرکھنے اور جانچنے کی صلاحیت کا معیار بھی مختلف ہوتا ہے۔ وجاہت مسعود کے کالموں میں بھی وقت، حالات اور تقاضوں کے پیش نظر ہر موضوع نظر آتا ہے سیاسی، سماجی، تاریخی، علمی و ادبی ہر موضوع پر دلیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ کالم نگار اوریا مقبول جان نے بھی ہر موضوع پر کالم لکھے انہوں نے معاشرت، مذہب، سیاست پر مختلف اور انوکھے انداز سے ہر پہلو کو سامنے لایا۔ ''معیشت کا گورکھ دھندا '' اس میں اوریا مقبول جان نے معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح مشرقی اور مغربی زندگی میں معاشی کشمکش اور تضاد ہے آدمی خود اپنی زندگی کو آسان اور مشکل بنانے کا پابند ہے وہ سوچتا ہے کہ وہ جس جگہ زندگی بسر کر رہا ہے اس کی معیشت اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ اس سے آگے بڑھے گا تو اس کی زندگی میں آسائش اور سہولیات میسر ہوں گی لیکن ایسا کرنا صرف اور صرف عقل و شعور پر منحصر ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کو بھی چہرے کے دو رُخ قرار دیا ہے اک رخ خوبصورت اور سحر انگیز ضرور ہے لیکن باطن میں خون، ظلم و بربریت اور مکروہ حصہ موجود ہے۔ اسی طرح اوریا مقبول جان اپنے ایک کالم '' دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات '' میں بیان کرتے ہیں سرمایہ دارانہ سودی نظام اپنے تحفظ کے لیے خوبصورت جال بنتا ہے یہ جال اس قدر حسین ہے کہ ہر ملک کے عوام اس میں پھنستے چلے جاتے ہیں پوری دنیا میں اس نظام کی بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اوریا مقبول جان نے صرف معاشرت اور معاشی زندگی کو موضوع نہیں بنایا بلکہ سیاسی حکمران اور سیاست میں موجود ہر آدمی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح وہ بے حس اور مفاد پرست ہیں اوریا مقبول جان نے اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کا حق آزاد اور مساوی ہے انسان کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے حکمران کا انتخاب کرے اور شہری ہونے کے ناطے تمام سہولیات ان کا حق ہیں۔ اسی طرح انہوں نے اپنے ایک اور کالم '' اندھے گونگے، بہرے '' میں انہوں نے جمہوری نظام کی بالادستی کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص کس طرح اپنے آپ کو ہر طرف سے لاتعلق سمجھتا ہے

جیسے اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان کا ایک اور کالم "دھرنوں کے اس موسم میں" انہوں نے مذہب اور انسان کے تعلق بیان کیا ہے کہ ہر انسان کے نزدیک مذہب کے معنی الگ اور مختلف ہیں جس طرح چاہتا ہے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ کالم نگار جاوید چوہدری نے بھی ایک حساس ادیب ہونے کے ناطے زندگی کو نہایت قریب اور باریک بینی کے ساتھ دیکھنے کی کوشش کی ہے انہوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ ایک جیسے چھوٹے بچے معاشی زندگی مختلف ہونے کے باعث منفرد اور الگ مزاج کے ہوتے ہیں معاشرے اور ماحول کی تربیت مختلف انداز سے اثر انداز ہوتی ہے اس کے علاوہ مذہب کی آڑ میں ملک میں پھیلی دہشت گردی کو بھی بڑے ہی منفرد انداز میں بیان کیا ہے کہ ہمارے ملک میں دہشت گردی کی تیسری وجہ مذہب کی ٹھیکیداری ہے، ہمارے ملک میں ۷۲ قسم کے مسالک اور فرقے ہیں اور ہر فرقہ، ہر گروپ ۱۹ کروڑ لوگوں پر اپنی مرضی کا اسلام نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ معاشی اور سماجی صورتحال کو بھی بیان کیا ہے کہ اخلاقیات کا انتقال کر جانا عام آدمی کے معاشی بحران میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاست میں بھی موجود بھیڑیے جو انسان کو صرف بے حسی کی نگاہ سے دیکھتے اور اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں حکمرانوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ جب بھی چاہیں گے عوام کو آواز دے کر اپنے پیچھے لگالیں گے۔ کالم نگار حسن نثار بھی اپنے خیالات اور احساسات و جذبات کو مختلف موضوعات میں سموتے ہیں انہوں نے بھی ملک و قوم کو جس بدعنوانی اور کرپشن کی راہ پر جاتے دیکھا ہے اس کو بلاخوف و خطر بیان کرتے ہیں پیار کے نام پر ملک میں ہزاروں خون روز ہوتے ہیں خواہ وہ عام آدمی کا ہو یا حکمران کا اور اپنے ایک کالم "کرپشن کہانی" (قسط ۳) میں بینظیر بھٹو کے حالات و واقعات کو بیان کر کے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں اور والد کے قتل، اپنی جلاوطنی اور والدہ شدید علالت کو کس طرح اپنے ذہن میں دبا کر ایک نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہیں اس کالم میں صرف سیاسی و معاشی ابتری کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح صرف سیاست، معاشرت کی بات نہیں کرتے بلکہ انصاف اور علم و ادب کو معاشرے کا ایک لازمی جزو قرار دیتے ہیں کالم نگار عطاء الحق قاسمی بھی ایک ادیب، شاعر اور مصنف ہونے کے ناطے اس بات کو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ناسمجھ لوگوں کو اس معاشرے کی دھوکہ دہی اور جھوٹ سے بچا کر ایک باوقار طریقے سے ملک و معاشرے میں جینے کا حق دلوا سکوں ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ

ایک جگہ رہنے والے تمام افراد کا مزاج اور ماحول دوسرے سے مختلف اور بیگانہ ہے جس کی وجہ سے ایک متوسط طبقے کا آدمی نفسیاتی مریض بنتا چلا جاتا ہے اس کے علاوہ سیاسی آب و ہوا کو بھی گرم اور سرد دیکھتے ہیں کہ عوام اپنے حکمران کو کامیاب کرانے کی کوشش میں برسر اقتدار پارٹی کو ناکام بنانے کا کوئی منصوبہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ سیاسی موضوعات، سنجیدہ موضوعات علم وادب کرپشن ہر موضوع کو بحث بنا کر عوام اور ملک و قوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کالم نگار محمد اظہار الحق نے بھی ہر موضوع کو اپنی پوری قابلیت کے معیار پر جانچ کر دوسروں کے علم اور فائدے کے لیے رکھ چھوڑا انہوں نے اپنے موضوعات کو منفرد اور انوکھے انداز پیدا کر کے نفسیات، معاشرت، سیاست کو یکجا کرنے کی کوشش کی انہوں نے اپنے کالم ''تلخ نوائی'' کے نام سے دنیا اخبار میں شائع کرائے۔ ان کا ایک کالم ''کئی نوری سال'' اس میں ایک بچے کی نفسیات اور ماں کے پیار کو بڑے ہی انوکھے انداز میں بیان کیا اور ملک و معاشرے کو پچھلے 70 سالوں سے ایک ہی ذہن کے مطابق پایا یعنی سیاست دان کا بیٹا سیاست دان اور ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر، مطلب ہر کوئی اپنے پیشے کو ہی آگے بڑھائے گا تبدیلی اگر ذہنوں میں نہیں تو عملی زندگی میں بھی نہیں آئے گی۔ چودھری بیمار ہو گیا تو میراثی کے بچے نے ماں سے پوچھا کہ چودھری جانبر نہ ہوا تو اگلا چودھری کون ہو گا۔ ماں نے کہا پھر اس کا بیٹا۔ بچے نے پوچھا وہ بھی مر گیا تو پھر، ماں نے کہا پھر اس کا بیٹا، پر امید بچے نے پوچھا وہ بھی مر گیا تو۔۔۔۔ میراثن نے کہا کہ سارا گاؤں بھی مر جائے نا تو تم کبھی چودھری نہیں بن سکتا۔ غرض یہ کہ ادیب / فنکار زندگی کی حقیقت اور عکس کو نہایت قریب سے دیکھتا ہے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جھوٹ اور فریب سے دھوکہ نہ کھائے حق اور سچ بات کی پیروی کرے اس لیے وہ اپنے موضوعات کا عنوان بھی نہایت دلچسپ اور تجسس سے لبریز رکھتا ہے اور برجستہ اور آسان الفاظ میں آدمی کو دنیا کی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شفیق جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، محمد ایوب، ریٹی گن روڈ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۱

۲۔ مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، پنجاب میں اردو صحافت، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، مئی ۱۹۹۵ء، ص ۵۷

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۲

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۵۔ ایضاً، ص ۴۲۷

۶۔ ایضاً، ص ۱۱

۷۔ راقمہ کا وجاہت مسعود، ٹیلی فونک انٹرویو، ۱۷ دسمبر ۲۰۱۹ء

باب دوم

وجاہت مسعود کے کالموں کا فکری تجزیہ

الف۔ سیاسی موضوعات

پاکستان میں سیاست روزِ اول سے ہی بنتی اور بگڑتی رہی۔ سیاست میں اتار چڑھاؤ شروع سے لگا رہا۔ کبھی کسی سیاسی شخصیت کا دور اچھا رہا تو کسی کا بہت برا۔ عوام کو ہر دور میں ہی بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا۔ وزراء اپنے جلسوں اور تقریروں میں عوام سے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں تو عوام میں امید کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ان سیاسی حکمران کی باتوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں حکمران چننے کا حق عوام کو ضرور ملتا ہے لیکن عوام جب کسی بھی حکمران کے خون کو جوش مارتا دیکھتی ہے تو اپنی ساری امیدیں اس کے ساتھ وابستہ کر دیتی ہے اور جب بھی کوئی حکومت آتی ہے تو اسے مشکلات ضرور درپیش آتی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ملک میں سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی حالت بہت تشویشناک رہی جنرل ایوب خان کے دور میں مارشل لاء لگا۔ حکومتیں ٹوٹتی اور بنتی رہیں۔ اس کے بعد سیاست کے میدان میں ایک بڑا المیہ بھی ہے یہ تمام تر پارٹیاں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہیں سیاست دان ایک دوسرے پر تشکیک اور طعنہ بازی کا حربہ ہر وقت استعمال کرتے ہیں ایک پارٹی دوسرے کے خلاف اختلاف کا بیج بوتی ہے اور اس کو شک کا پانی دے کر پودے کو ایک بڑے جھگڑے کی صورت میں درخت کی مانند تیار کھڑا کر دیتی ہیں۔ "محاصرے کا روزنامچہ" میں کتنے سیاسی کالم ہیں؟ اس دور کی سیاست کی صورت حال کیا تھی؟ سیاست کے میدان میں ایک تاریخ سیاہ دن ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کا دن تھا۔ جب ایک حکمران کو الصبح ابدی نیند سلا دیا گیا۔ اس کے علاوہ بینظیر بھٹو کو جلاوطن کیا گیا۔ نواز شریف کو بھی وطن سے دوری برداشت کرنا پڑی۔ سیاسی وزراء عوام کو سہولیات دینے کا وعدہ تو کرتے ہیں لیکن جب وہ برسرِ اقتدار آ جاتے ہیں تو وہ عوام سے کیے ہوئے وعدے پورے نہیں

کر پاتے اور ان کے قول و فعل میں ایک خاص تضاد ملتا ہے عوام کی خواہشات کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے اور ان کی خواہشات کو بَلی کی بھیٹ چڑھا دیتے ہیں جیسا کہ وجاہت مسعود لکھتے ہیں:

"کھوکھلی قوم پرستی اور مذہبی انداز بیاں میں سیاسی کارکنوں کے لیے خاص کشش ہے کہ اس میں حقائق اور دلائل کا جھنجھٹ نہیں رہتا۔ خطابت کے منہ روز گھوڑے پر بیٹھ کر دائیں بائیں دھول اڑا کے نکل جائیں۔"(۱)

سیاست دان اپنے ملک میں پیش آنے والی مشکلات اور مسائل سے کلی طور پر نبرد آزما نہیں ہو سکتے اور تمام پارٹیاں ایک دوسرے کو ہمیشہ مشکلات کا ذمہ دار ٹھہراتی رہتی ہے جیسا کہ

۱۹۵۱ء قیام پاکستان کے چار برس بعد لیاقت علی خان کی شہادت بھی اس بات کا اعلان تھی کہ سیاسی اقتدار فوج کے ہاتھوں سے منتقل ہو چکا ہے یہ جمہوریت کا سلسلہ بھی پوری طرح اپنی حالت تبدیل کر چکا ہے۔ عوام کسی بھی صورت میں پاکستان کی ذمہ داری فوج کے ہاتھ میں دینے کے حق میں نہ تھی اور یہ جنگ و جدل کی حالت اور حق حکمرانی سے انکار کا یہ سلسلہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان میں ہونے والی جنگ پر فتح ہوا۔ پھر اس کے سیاسی رہنماؤں نے از سر نو پاکستان کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا۔ جمہوریت کا پودا لگانے کا وعدہ تو ہر سیاسی پارٹی کرتی ہے لیکن اس پودے کے پیچھے کا مقصد اپنی اور دوسری پارٹی کے حسب نسب کو جاننا ہوتا ہے اور مخالف پارٹی کی حب وطنی کا مذاق بنایا جاتا ہے اس کا مقصد صرف اپنا سیاسی تشخص قائم کرنا ہے۔ معاشرے کا ایک اہم رکن اہل دانش، فنکار اور سیاسی کارکن ہوتے ہیں سیاسی رہنماؤں کی پاکستان میں نہ ہی کمی ہے اور نہ ہی انہیں اپنی شہرت کے لیے اشتہار بازی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سیاسی کارکن خود ہی اپنی پارٹی کو بڑی پارٹی اور کامیاب پارٹی کا بنانے کا ہنر جانتے ہیں

"سیاسی کارکن جلسے اور جلوسوں کی جان ہوتے تھے۔ یہ پولیس کے ڈنڈے کھاتے، تھانوں میں تذلیل اٹھاتے اور جیلوں میں مصیبتیں جھلتے تھے۔ ان کی قربانیوں کا حاصل اخبار کی ذیلی سرخی میں گرفتار کارکنوں کی تعداد ہوتی تھی۔ گاہے ڈیڑھ سو، گاہے دو ہزار۔"(۲)

عام طور پر زندگی اور فکر سے سیاسی کارکن دوہرا زاویہ رکھتے ہیں۔ سیاست کے بارے میں گہرا علم اور واقعات کے بارے میں تفصیلی نقطہ نظر رکھتے ہیں اور کم عمری میں کسی مضبوط آدمی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور عمر بھر ان کے ہی زیر اثر بھی رہتے ہیں۔ ایسے کارکن قوم، عقیدہ اور طبقاتی کشمکش کی چھاپ لے کر اٹھتے ہیں ان کی بغاوت اور زبان میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ ان کے لباس پر سیاست کی چھاپ لگ جاتی ہے ہماری سیاست کی تاریخ میں بہت سی تبدیلیاں آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ الیکشن / انتخابات جب قریب آتے ہیں تو سیاسی حکمران اور کارکن کا خون جوش مارنے لگتا ہے پوری دنیا میں الیکشن کے دوران سیاسی سرگرمیاں عروج پر پہنچ جاتی ہیں ہر سیاسی حکمران اپنی جماعت کو دوسری جماعت بہتر اور برتر منوانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور عوام کے سامنے اپنی جماعت کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ ایوان صدر کی ایک تصویر جو ۲۰۰۳ء دسمبر کے آخری ہفتے میں لی گئی تھی۔ اس میں دستور کا حلیہ سترھویں آئینی ترمیم کے تحت بگاڑا گیا تھا اور اسی طرح دوسری تصویر ۲۰۱۰ء اپریل میں قومی اسمبلی کی سیڑھی پر لی گئی جب جمہوری خدوخال اٹھارہویں آئینی ترمیم کے تحت بحال کیے گئے تھے۔ یہ تصاویر آثار قدیمہ کی نہیں بلکہ موجودہ تاریخ کے دو اہم واقعات ہیں۔ مجیب اور بھٹو کے کشمکش کو گزرے اور دو مارشل لاء بھی بھگتے۔ آئین کو توڑا گیا دو وزیر اعظم بھی قتل کیے گئے اور حکومتیں ٹوٹتی اور بنتی رہیں۔ لیکن ہماری عوام نے ان تمام مشکلات اور مسائل سے کوئی خاص اثر قبول نہ کیا اور اپنے اندر بہتری لانے کی کوشش کی۔ ہمارے سیاسی رہنما زیادہ تر اپنی نفسیاتی کمزوریوں میں پستے چلے جاتے ہیں اور انہیں اس بات کا خدشہ بھی لاحق رہتا ہے کہ اگر ان کے سیاسی کارکنان میں وسعت نظری، صبر، برداشت اور تحمل کا مادہ پروان گیا تو اس سے ان کو نقصان پہنچے گا کیونکہ اگر یہ مادہ ان میں پروان چڑھ گیا اور یہ گلی کونے کی سیاست سے ہٹ کر حقیقت پسند سیاسی عمل اور فیصلہ سازی کی تعلیم میں پڑ گئے تو ان کا اثر و رسوخ اپنے کارکنان پر مکمل طور پر کمزور پڑ سکتا ہے اور اس سے ان کی سیاسی شخصیت اور شہرت کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ عوام کا مزاج سیاسی شخصیت کے ساتھ نفسیات کے گڑھے سے بھی منسلک ہوتا ہے کیونکہ کارکنان ہمیشہ اپنے حکمران کے ہی گیت گاتا ہے اور دوسری جماعتوں کے حکمران سب اسے چور اور لٹیرے لگتے ہیں۔ ۳ جون ۲۰۱۳ء کا سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکا کیونکہ اس وقت ہماری چودھویں پارلیمنٹ

پارٹی اپنی تشکیل کے ابتدائی مراحل میں تھی ڈپٹی سپیکر اور سپیکر کے انتخاب کا مسئلہ درپیش تھا۔ محمود اچکزئی پختونخواہ ملی عوامی پارٹی اور بلوچستان اسمبلی کے نومنتخب رکن ہیں۔ انہوں نے سوال یہ اٹھایا کہ

"ہم آئین کے تحت حلف اٹھا رہے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس پارلیمنٹ کے ارکان آئین کی بالادستی اور حلف کی توقیر کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔"(۳)

سیاست میں اگر ہم جمہوریت کا نام لیں تو ہمیں جمہوریت اور معاشرت اور سیاست کا رشتہ سمجھ نہیں آتا وہاں یہ سوال عین جائز ہے کہ ہمیں بتایا ہی نہیں گیا کہ محض جمہوریت صرف عوام اور حکومت کے رشتے کا نام نہیں، بلکہ تمام لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے تعاون اور ہمدردی پر منحصر ہے خواہ وہ عام انسان ہوں یا سیاسی کارکن ہوں۔ سیاست صرف جلسے، جلوسوں، خطاب، تقاریر، سیاسی کارکنان کی ملاقات، پارلیمنٹ، سیکرٹریٹ تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں دہشت گردی، کرپشن، مفاد میں بولے جانے والے ہر جھوٹ، دھوکہ دہی اور رشوت کا بھی نام ہے۔

"دنیا کی ہر سیاست اپنے قومی مفاد میں کسی حد تک اخفا سے کام لیتی ہے یعنی ہر معاملے میں حقائق کو پوری طرح بیان نہیں کرتی تاہم ایسا کرتے ہوئے خیال رکھا جاتا ہے کہ قومی مفاد میں بولا جانے والا جھوٹ اس طرح سے استعمال کیا جائے جس سے ریاستی اعتبار کم، سے کم مجروح ہو۔"(۴)

سیاست میں اختلافات کسی کی ذاتی دشمنی کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سیاسی کارکنان اپنے رہنما کا ساتھ دیتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا غلط کیوں کہ سیاسی کارکنان کا بھی اس میں خاطر خواہ فائدہ ہوتا ہے اسی طرح وجاہت مسعود کے کالم ''نمبر دار کا نیلا'' کی بات کریں تو اس میں نمبر دار صاحب نے ایک گائے کا بچہ پال رکھا ہے جو شتر بے مہار گلیوں اور بازاروں میں پھرتا ہے لیکن نمبر دار صاحب کا لاڈلا ہونے کی وجہ سے کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح سیاست میں بھی حکمران ہوں یا کارکنان منصب پر فائز ہر شتر بے مہار کی طرح سب کو روندتے ہوئے نکل جاتے ہیں تا کہ اپنا مفاد اور مقصد حاصل کریں اس وقت نہ تو عوام کا خیال آتا ہے اور نہ خوف خدا۔

صرف اور صرف اپنا کام اور فائدہ حاصل کرنا ہی ایک اہم مقصد ہوتا ہے مطلب جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ طاقت اور اختیارات کے بل بوتے سب اپنا اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ سیاست کو مذہب کے تقدس میں ڈھال بنا کر مذہب کو ایک معرا بنایا جارہا ہے جس کے مطابق معاشرے کی کیفیت میں گڑبڑ اور خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ مذہب ایک محور ہے جہاں پر اس کو ماننے والے پورے عقیدت و احترام اور دل و جان سے اس سے محبت کرتے ہیں لیکن جیسے سیاست کے میدان میں جہاں بد عنوانی، رشوت، دھوکہ دہی سیاست کے ضروری عناصر سمجھے جاتے ہیں وہاں مذہب کو شریک کر کے اس کی بے حرمتی کسی طور بھی قابل قبول نہیں۔ سیاست میں علمی و ادبی کام سے سیاست دانوں کا واسطہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ سیاست میں طاقت اور بازو و قوت کا زور زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے سیاست دان جتنا طاقت ور اور مضبوط ہو گا اتنا ہی اپنا اسر ور سوخ سیاست میں برقرار رکھ سکے گا۔ سیاست میں ہر حکمران ہی عوام کے جذبات واحساسات سے کھیلتا آرہا ہے۔

بقول ندیم رحمن ملک:

> "انہوں نے خار زار راستوں سے مرغزار تک پہنچنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی اور اپنے فن سے ملکی اشرافیہ اور اعوانِ بالا و عظمی کی چیرہ دستیوں سے ملک و قوم کو آگاہ کیا۔"[۵]

سیاست ایک مضبوط ریاست کے طور پر ملک و قوم سے اس دہشت گردی کا قلع قمع کر سکتی ہے اس کے لیے تمام سیاسی پارٹیوں کو اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اختلافات سے کسی بھی چیز کو شکست فاش نہیں دی جاسکتی اس میں غفلت اور لاپرواہی سے کام نہیں لیا جاسکتا کیوں کہ اس میں ملک کے مفاد کا مقصد چھپا ہوا ہوتا ہے دہشت گردی کے مسئلہ کو حل کر کے ہی معاشی، سماجی، سیاسی اقتصادی حالت کو بہتر کیا جاسکتا ہے اس کے لیے تدبیراتی کام سے مدد لی جاتی ہے تاکہ دشمنوں کی صفوں میں دراڑ ڈالی جاسکے۔ ہمارے ملک میں سیاست کا نظام درہم برہم فوجی آمریتوں کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ مسلسل بر سر اقتدار آکر حکومت کو بھی اپنی ہی ملکیت سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے ملک میں معاشی بحران اور سیاسی مسائل جنم لیتے ہیں اور ملک کا نظام

بھی خستہ حال بن جاتا ہے۔ سیاست کا واسطہ اور تعلق خارجہ اور داخلی پالیسیوں کو ترتیب و تشکیل دینے سے ہے اور اس طرح کی پالیسیوں کو تشکیل دیتا ہے جس سے عوام کی زندگی کو بہتر بنایا جاسکے۔ ووٹ کا تصور دین سے نہیں ہے بلکہ یہ تمدنی ارتقاء کا نتیجہ ہے ووٹ کا مقصد جمہوریت کے نعرے کو بلند کرنا ہے اور مذہب، مساوات اور برابری کا درس دینا ہے لیکن ووٹ اب صرف سیاست کے نام پر شروع ہوتا ہے اور فساد اور جھگڑے پر ختم ہوتا ہے۔ حالیہ انتخابات کی بات کریں تو ۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کو جو انتخابات ہوئے اس میں پیپلز پارٹی کو شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ پیپلز پارٹی کی کارکردگی ۱۹۹۷ء کے مقابلے میں زیادہ خراب اور شکست خوردہ تھی۔ کسان مزدور طبقہ اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے ایک آواز ہوا تھا اور دھاندلی اور دو نمبری کی وجہ سے تمام پارٹیاں ہمیشہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی آئی ہیں۔ سیاست اگر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے سپرد بھی کر دی جائے تو اس میں ردوبدل ہوتا رہے گا جو ہر دور میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ کو دعوت دے گا اور ملک کا کوئی نہ کوئی طبقہ ان مشکلات کا شکار رہے گا۔ اس ملک میں سیاسی گروہ ہو یا ریاستی گروہ اور اہل دانش ور طبقہ سب نے اپنے مفادات اور تحفظ کو ہی اپنا نصب العین بنایا اور پاکستان کی تشکیل میں بنائی گئی پالیسیاں رد کر دی۔ عوام تک صرف ان کے مفاد کا نعرہ پہنچا یا لیکن اس کی زد میں اپنی ساکھ مضبوط کی جہاں تک سوال ریاست میں کرپشن کا ہے تو یہ بات طے ہے کہ پاکستان میں رہنے والوں کی حالت بہتر نہیں ہے ان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس لیے یہ سوچنا ضروری ہے کہ کہیں نہ کہیں رشوت، سود، بدعنوانی جیسے جرائم اپنا سر اٹھا رہے ہیں جس سے ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کی راہیں بند ہو چکی ہیں۔ آخر میں مجموعی جائزہ یہ ہے کہ سیاست اگر اپنے معاملات، تعلقات خواہ وہ دوسرے ملکوں کے ساتھ ہوں یا داخلی ہر طرح کی شفافیت کا عنصر لازمی امر ہے اپنے تحفظات کو پس پشت رکھ کر اگر عوام کے تحفظات کو بالاتر رکھا جائے تو کسی طور بھی ملک کی سیاست ناکام اور شکست سے دوچار نہ ہو گی۔ جمہوریت کو آمریت پر فوقیت دینا بھی ایک لازمی امر ہے جب حکومت کرپشن، سود کی بدولت کسی میرٹ پر آنے والے بچوں کو روزگار اور سہولتیں مہیا نہیں کرتی تو وہی عوام اپنے حق کے لیے ووٹ کا استعمال دوسری پارٹیوں کے حق میں کر دیتی ہے بالا آخر سیاست اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب وہ اپنے اندر موجود خامیوں کو ختم نہ کر دے۔ یہ کالم پیپلز

پارٹی کی حکومت کے آخری دور اور نواز شریف کے بر سر اقتدار آنے کے اوائل کے ہیں۔ یہ کالم ۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۳ء کے سال میں شائع ہوا۔ یہ دونوں سیاسی جماعتیں روایت پسند تھیں روائتی حریف بھی۔ کبھی ایک پارٹی کی حکومت تو کبھی دوسری پارٹی کی۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں نواز شریف کی پارٹی کو اقتدار ملا جلا وطنی کاٹ کے آنے کے بعد یہ میاں نواز شریف صاحب کو پھر سے حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد ایک اور پارٹی تحریک انصاف نے عمران خان کی سرپرستی میں اس حکومت کے خلاف ریلی نکالی جو کئی دنوں تک ایوان صدر کے باہر احتجاج کرتے رہے۔ یہ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف سازشیں، طعنہ بازی اور گالی گلوچ سے کبھی باز نہ آئی۔ ۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کو جب انتخابات میں ن لیگ کو کامیابی ملی تو اس پارٹی نے حکومت سنبھالنے کے بعد عوام کی امیدوں پر پورا اترنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کے ہی دور حکومت میں میٹرو بس پروجیکٹ کو کامیاب بنایا گیا۔ عوام کو مہنگائی کے اس دور میں ایک ریلیف دینے کی بھرپور کوشش تھی ۔ یہ کالم لکھنے کا دور سیاسی اعتبار سے پیپلز پارٹی اور ان کے حامیوں کے لیے ایک کرب کی حیثیت بھی رکھتے تھے کیونکہ دہشت گردی کا جو بدترین المیہ پاکستان کے نام ہے شاید ہی وہ کسی اور ملک کے نصیب میں ہو۔ پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ راولپنڈی میں دائمی نیند سلا دیا جو پی پی پی کے حامیوں اور کارکنان کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ قیادت کے رہنما کی اچانک موت بھی سیاسی ماحول پر اور کارکنان کے دل و دماغ پر ہمیشہ گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

ب۔ سماجی موضوعات

سماج سے مراد معاشرہ ہے اور کوئی بھی معاشرہ علم و ادب، مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن سے عاری نہیں ہوتا۔ انسان اور معاشرہ ایک لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ کوئی بھی معاشرہ انسان کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ انسان کو بھی سماجی حیوان کہا گیا ہے کیونکہ لیکن حیوان اور انسان میں ایک فرق علم و ہنر اور شعور کا حق ہے کیونکہ علم و ادب کی بدولت ہی انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ اپنی ضروریات تو حیوان بھی پوری کرتا ہے لیکن انسان اپنی عقل و شعور کی بدولت ہی معاشرہ میں ترقی کرتا ہے۔ ایک معاشرہ کی تہذیب و

تمدن، عادات و اطوار، مذہب، ثقافت دوسرے معاشرے کے لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں اور وہ اسی اختلاف کی بناء ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں چاہے زبان کا استعمال ہو یا رہنے سہنے کا ڈھنگ ایک علاقہ اور خطہ کو دوسری خطے سے مختلف ان کی خصوصیات ہی کرتی ہیں۔ ساتھ ہی کسی معاشرے میں مذہب سے انکار ممکن نہیں لیکن انسانی اجتماع میں عقیدے کا تنوع ضروری ہے چھوڑیئے! بیرونی دنیا کو خود پاکستان میں چاروں صوبوں کی ثقافت ایک دوسرے سے مختلف ہے چاہے وہ تنوع لباس میں ہو یا زبان میں، تو سوچنا یہ چاہے کہ پاکستان کی عالمی تاریخ کن سماجی اور معاشی مشکلات کا شکار رہی ہے۔

> ”سوال یہ ہے کہ ہمارے قابل احترام حلقے پاکستانی عورتوں کے لیے زندگی کو آسان کرنا چاہتے ہیں یا اس نصب العین کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں اگر مذہبی احکامات کی برہان قاطع تلوار لہرانا مقصود ہے تو غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں فقہی احکامات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔“ (۲)

معاشرے کا امن و سکون، محرومی، ناانصافی اور جاہلیت سے تباہ ہو جاتا ہے ترقی کی راہ ہمیشہ اختلاف رائے، پرامن مکالمے اور مختلف سماجی نمونوں کے تنوع سے ہمکنار ہوتی ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ابتدائی حالت کافی خوش آئند تھی پاکستان کی پیداواری ذرائع پسماندگی کے باوجود قانونی اور انتظامی امور میں بڑی حد تک مضبوط اور استوار تھے اور پاکستان کے خوشحالی کے امکانات واضح طور پر روشن تھے۔ لیکن یہ سب امور بھی پاکستان کی ترقی کی راہ میں کوئی خاطر خواہ افادیت پیدا نہ کر سکے۔ سماجی اور سیاسی پسماندگی کے باعث معیشت کے تلخ حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہمارا ملک ان تمام مسائل میں ڈوبا ہوا ہے جو ملک و قوم کی سماجی اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ ادیب اپنے معاشرے اور ماحول ایک حساس فرد ہونے کی حیثیت سے معاشرے میں پیش آنے والے تمام مسائل کو ایک عام آدمی کی نظر سے نہیں بلکہ باریک بینی سے معاشرے کے اندرونی کو بیرونی مسائل کو دیکھتا ہے اور حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی اقدار کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں کہ معاشرتی اقدار کو اپنانا کوئی

انتظامی یا قانونی مسئلہ نہیں بلکہ تمام انسانوں کے جذبات و احساسات کا گٹھ جوڑ کر کے ایک مستقل حل کا قیام ہے۔ معاشرت میں قانون کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ ایک ایسا نظام عمل میں لایا جائے جس سے معاشرے میں بد نظمی پیدا کرنا مقصود ہو بلکہ ایسا نظام لانا ہے جس پر رسائی ہر طبقے کی ممکن ہو بلکہ ہر شہری دوسرے افراد، طبقوں اور گروہوں سے استحصال اور نقصان کا ڈر نہ ہو۔ سماجی کارکن ہونے کی حیثیت سے انسان کا تحفظ اس سبق یا قانون کی شق میں شامل نہیں بلکہ انسان کے تحفظ اور حفاظت کے بارے میں اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ ہر انسان آزاد اور خود مختار ہے اور فرد کا احترام اور انسانی آزادی کا فروغ ہر ممکن لازم ہے۔

بقول یاسر پیرزادہ:

> ”وجاہت مسعود کی وہ تمام خصوصیات جو ان کے کالموں میں دلکشی اور رعنائی پیدا کرتی ہیں وہ ان کی جمہوریت پسندی، آئین سے پاسداری اور انسان دوستی ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں کرنا چاہئے۔“(۷)

افراد سے معاشرہ وجود میں آتا ہے اور اس کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے تمام تر کوششیں وہاں پر موجود افراد کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ایک معاشرے میں رہنے والے افراد کو ایک کمیونٹی کی شکل میں رہنا پڑتا ہے وہاں کے مسائل اور مشکلات تمام لوگوں کو یکساں جھیلنے پڑتے ہیں اس لیے ان کو اپنے اندر صبر اور تحمل کا مادہ ضرور پیدا کرنا چاہیے تاکہ غم اور خوشی کو برابر بانٹ کر اور مل جل کر رہ سکیں۔ معاشرتی زندگی میں بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ دہشت گردی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جس کے بارے میں وجاہت مسعود اپنے کالموں میں کہتے ہیں کہ

> ”پاکستان کی زمین پر ایسے عناصر موجود میں آگئے ہیں جو پاکستان کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور یہاں کے باشندوں پر اپنا فلسفہ ریاست معاشرتی طور طریقے اور تصور عالم مسلط کرنا چاہتے ہیں۔“(۸)

دوسری جنگ عظیم بھی حقیقتاً اس بات اعلان تھی کہ فلسفہ سیاست اور عالم تصور میں امن کا کوئی وجود نہیں ہے۔اسی طرح ۱۸۵۷ء میں غدر کی صورت میں ہندوستان میں معاشی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی طور پر جو خون خرابہ اور عصمت کا خون، جانوں کا ضیاع یہ سب کو کمزور کرنے کے لیے کافی ثابت ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو پاکستان کی عسکری قوت، معاشرتی، معاشی حالت ابتر تھی۔ ہندوستان نے اپنے قبضے میں فیکٹریاں اور عسکری قوت مضبوط کر لی تھی اور پاکستان کو بے یار و مدد گار چھوڑ دیا تھا۔ جس سے اس وقت لوگوں کو خود کو تحفظ فراہم کرنا بھی مشکل لگتا تھا۔ اگر ہم گزشتہ چند برسوں کی بات کریں تو پاکستان بننے کے اتنے عرصے بعد بھی پاکستان کی ریاست اور عوام کا مفاد ان کی عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے اور شر پسندوں کے بارے میں پتہ لگوانا کہ یہ عناصر کس غرض سے پاکستان کے دشمن ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ تو اس لیے اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ادب اور معاشرہ لازم وملزوم اور جسم اور روح کا رشتہ نہیں رکھتی۔ پاکستان کے عوام کی ترقی اور بہتری ایسی حکومت کے قیام سے منسلک ہے جو بنیادی قوت عوام کی تائید کرتی ہو اور یہ تبھی ممکن ہے جب پاکستان کے باشندے اپنے ووٹ کا صحیح اور بہتر طور پر چناؤ کریں گے۔ پاکستان میں پسماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ حکمران دیانت دار ہو اور اہلیت سے محروم نہ ہو۔ عوام کو حق دہی کا پورا حق تو دیتے ہیں لیکن پوری اہلیت سے ان کے مشکلات کو حل نہیں کرتے صرف اپنے مفاد کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ معاشرے میں رہنے والے افراد ایک دوسرے کی خوشی میں خوش اور غم میں اداس ہوتے ہیں یہ خوشیاں اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب سے ملتی ہیں۔ جیسے شام کسی درخت کے نیچے محفل سجانا، کسی کی بیٹھک میں چائے کی گرمائش سے لطف اندوز ہونا۔ جیسے وجاہت مسعود لکھتے ہیں:

> "فراوانی کی لغت ایک طرف مگر عزیز، خوشیاں تو چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ بڑی خوشی میں تو، مولا علی نے فرمایا، انسان منکشف ہو جاتا ہے۔"(۹)

معاشرتی سطح پر بہت سے مفادات معاشی، سماجی اور اقتصادی، سیاسی کار فرما ہوتے ہیں اور ان کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ قومی کی تعمیر صرف ان معنوں میں ممکن ہے جب سب حالات ایک اچھے پر امن اور

بہتر طریقے سے چل رہے ہوں. سیاسی سطح پر سیاسی رہنماؤں کو اس بات کا احساس ضروری ہونا چاہئے کہ ان کی کارکردگی سے عوام پر بہت اثر پڑتا ہے ان کی کارکردگی سے ہی ان کی قابلیت اور اہلیت پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ جتنے بھی لوگ موجود ہیں وہ خود کو ایک دانش و سمجھدار اور خود ساختہ مسیحا سمجھتے ہیں۔ کسی بھی قوم کے استحکام کی بنیادیں قانون پسند، درد مند، اصول پسند شہری ہی اٹھاتے ہیں۔ اصول پسند اور قانون پسند شہری کا پتہ تو تب چلتا ہے کہ جب وہ ٹریفک پر لگے اشاروں کی پاسداری کرتا ہے یا توہین اور یہ حرکات و سکنات بھی کسی بھی معاشرے کی بدنامی کے لیے کافی ہے۔ تعلیم کا عنصر کسی بھی سماج کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ علم کے ذریعے ہی انسانوں میں آگہی، اور شعور کا مادہ پروان چڑھتا ہے اور وہ قومی بھلائی اور بہتری کی طرف امادہ ہوتی ہے باشعور قوم اپنے حقوق کو پہنچاتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے کس طرح سے اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا ہے وجاہت مسعود اپنے مکالمے میں تعلیم کو معاشرتی، معاشی ترقی کی راہ کو ہموار کرنے میں معاون و مددگار ثابت کرتے ہیں۔

> "ان پڑھ بچہ تو غربت میں اضافے اور معاشرتی انتشار کی ضمانت دیتا ہے شہریوں کے معیار زندگی میں پائیداری ترقی کا بہترین ذریعہ تعلیم کا فروغ ہے اور تعلیم کا معیار ایسا ہونا چاہئے کہ ہماری آئندہ نسلیں مسابقت اور مقابلے کی دوڑ میں شریک ہو سکیں۔"(۱۰)

پاکستان کو معاشرتی طور پر کمزور کرنے کے لیے سیاست کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ یہاں سیاست جمہوریت کا نعرہ ضرور لگاتی ہے لیکن آمریت پسندوں اور حریت پسندوں کا دور دورہ ہے۔ اہل دانشور پڑھا لکھا طبقہ اپنے مفاد کی خاطر رشوت، دھوکہ بازی اور سوداگری پر معمور ہے جس کی وجہ سے عام انسان جو تعلیم میں بھلے ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ میرٹ پر نہیں آتا۔ ہمارا معاشرہ کس نصب العین کے تحت چل رہا ہے ہمیں ملک عزیز میں مہنگائی، غربت اور امن و امان کی موجودہ حالت کسی طور بھی تسلیم نہیں۔ ملکی معیشت کو بجائے قرضوں اور امداد کے تجارت اور پیداواری صلاحیتوں کے ذریعے استوار کیا جائے تاکہ عوام کی ضرورت اور معیار زندگی بہتر ہو سکے۔ معیشت میں بہتری کے لیے خارجہ پالیسی کے لیے ایسے پیمانے تشکیل دینے چاہئیں

جس سے پاکستان کی مشکلات کا حل ہو سکے۔ تجارت تک عوام کی رسائی آسانی سے ہو اور سرمایہ کاری کا نظام بھی بہتر ہو سکے۔ پاکستان کی معیشت میں بیرونی قوتوں کا اثر اپنا تسلط قائم کر رہی ہے جس سے موجودہ آئینی، سماجی، سیاسی اور قانونی بندوبست میں خلل پیدا ہوتا ہے کوئی بھی ملک معاشی طور پر اس وقت تک ترقی کی راہ میں گامزن نہیں ہو سکتا جب تک وہاں کی عورتوں کو فعال افرادی قوت تسلیم نہ کیا جائے گا جہاں صنف تضاد کے قوانین موجود ہوں۔ ۱۹۷۱ء کے پر آشوب دور میں تاریخ نے اس عہد کو چھوڑ کر اور بھی بے شمار مسائل، سماجی، معاشی، عسکری، قانونی اور سفارتی سطح پر حل نہیں کیے جس سے ہماری سیاسی قیادت اپنی دھاک بٹھا سکتی تھی جس کی وجہ سے ہماری سیاسی قیادت معاشی ترقی کی راہ ہموار نہیں کر سکی۔ کون، کس وقت، کہاں خون میں نہایا جائے کوئی پتہ نہیں اس خوف و ہراس کی وجہ سے معاشرے اور قوم کے لوگ ایک بے بسی کی تصویر بنے رہتے تھے اور کوئی ان خیر خواہ اور ہمدرد نہیں ہوتا تھا۔

وجاہت مسعود اپنے مکالمے "اٹھو اب ماٹی سے اٹھو" جاگو میرے لال میں لکھتے ہیں:

"پاکستانی بچوں، جوانوں اور بزرگوں کے سوکے قریب لائیے گلیوں بازاروں میں رکھے ہیں۔ مرنے والوں کے والدین، بہن بھائی اور معصوم بچے پالیں یہ سر نہوڑائے بیٹھے ہیں۔ غم زدہ آنکھوں سے بہتے آنسو بے بسی کی تصویر بنے سوال کرتے ہیں کہ مرنے والوں کا جرم بتایا جائے۔ میں مہذب احتجاج کے پس پشت ایسی بے پناہ اخلاقی قوت ہے جو ریاست اور معاشرے کی بنیادیں ہلا سکتی ہے۔"(۱۱)

پاکستان میں دہشت گردوں کا سب سے بڑا نصب العین یہ ہے کہ ان وارداتوں سے پاکستانی قوم تنگ آکر اپنے ہتھیار دوسری عالمی طاقتوں کے آگے ڈال دیں جو جرائم پیشہ لوگوں کا ٹولہ ہے۔ ملک میں امن پسندی اور ملکی صورتحال بہتر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے تعلیم کو تعصب سے پاک کیا جائے اس میں تنگ نظری کو ختم کیا جائے تاکہ معاشرتی سطح پر رواداری کی جڑیں گہری ہوں۔ عقیدے کی آزادی انفرادی اختیار ہے گروہی حق نہیں ہے ریاست کے ہر شہری کو اپنے ذاتی معاملات خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، معاشی

ہوں یا اقتصادی خود مختار ہونے کا حق حاصل ہے اس حق کا دائرہ معاشرے کے دوسرے افراد پر مسلط نہیں ہوتا۔ معاشرتی اور سماجی سطح پر تمام برائیوں سے قطع نظر ریاست میں ایک بڑا المیہ مذہبی قتل و غارت کا ہے۔ مذہب کے نام پر قتل و غارت یا غیر کے نام قتل سب ہی معاشرے میں پر امن اور مساوات، عدل و انصاف کو برقرار رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ تمام برائیاں جب معاشرے میں سرایت کر جاتی ہیں تو معاشرہ کلی طور پر بہتری کی راہ ہموار نہیں رکھ سکتا۔ وجاہت مسعود اپنے مکالمے ''کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے'' میں بیان کرتے ہیں۔ عقیدے سے قطع نظر پاکستان کے تمام شہری حقوق کے اعتبار سے برابر ہیں یہ امتیاز ناگزیر طور پر معاشرتی رویوں میں سرایت کر جاتا ہے اور ہمہ گیر ذمہ دار عناصر کو مذہب کا نام استعمال کر کے ذاتی مفادات بٹورنے کی آزادی مل جاتی ہے۔ تاریخ میں ایک اصطلاح ''Program'' کے نام سے ملتی ہے اس کا کوئی متبادل / مترادف ہماری زبان میں نہیں ملتا۔ اس کا مطلب ہے۔ مشتعل افراد کا منظم اور سلیقے مند طریقے سے لسانی، مذہبی اور نسلی اقلیت پر حملہ کرنا، قتل غارت کرنا، لوٹ مار مچانا اور آتش زنی کا ارتکاب کرنا۔ جمہوریت کی اپنی ایک شناخت ثقافت کے حوالے سے بھی ہے۔ جمہوریت کو جملہ تقاضوں کے ساتھ اگر ایک نصب العین کے تحت اپنایا جائے تو امیر طبقہ ہو یا غریب، پڑھ لکھا ہو یا ان پڑھ، سوچنے سمجھنے کا انداز اور رنگ ڈھنگ بدل جاتا ہے۔ جمہوریت کی بات تو ایک طرف اگر پاکستان کے معاشرے کی بات کریں تو اس میں ایک بنیادی امر تشدد کا ہے کہ ہم معاشرے اور ملک و قوم سے تشدد جیسی لعنت کو ختم نہیں کر سکے اور جمہوریت کے برعکس آمریت تشدد کی ہی بدترین اور لعنت زدہ صورت ہے۔ ایک مہذب اور پاک معاشرے میں تشدد کی بے شمار صورتیں ہیں۔ ایک پیچیدہ تہذیبی بحران تشدد سے ہی جنم پاتا ہے۔ تاریخ میں اگر جمہوریت کی بات کرتے تھے تو اس سے ہمارا مقصد ایک صحت مند اور پر امن معاشرے کا قیام عمل میں لانا تھا۔ تشدد کے خلاف سب کی اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ شعور علم، فہم و فراست اور عقلمندی کا مظاہرہ کریں۔ معاشرے میں اختلافات بھی ایک بڑی وجہ بنتی ہے جو معاشرے کو کسی طور پر بننے نہیں دیتی ان اختلافات کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک صورت یہ کہ نسلی، لسانی، مذہبی اختلاف وہیں ہیں اگر ان اختلافات کو برداشت نہ کیا جائے تو معاشرے میں انتشار پھیل سکتا ہے اور توازن بگڑ سکتا ہے۔ دوسری صورت سیاسی اور معاشی

مفادات کا ٹکراؤ ہے جو مختلف گروہوں کی صورتوں میں منظر عام پر آتا ہے مثال کے طور پر طبقہ دار کا تحفظ، تجارت پیشہ گروہوں کا تحفظ، صنعتی اور زرعی طبقے کا تحفظ وغیرہ۔ تیسری صورت ذاتی طرز زندگی اور اجتماعی مقاصد کا ہے جس میں وجودی قطبیت کو قوت حاصل ہے۔ ریاست اور عوام کے تعلق استوار رکھنا معاشرے کے ساتھ ساتھ حکومت کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے لیکن اس میں ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قبیلے، خاندان اور حسب نسب کو امتیازی حیثیت دے کر ملک و قوم کو معاشی ترقی کی راہ میں پیچھے کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں معاشی اور سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ شرح خواندگی بھی ہے کیونکہ شرح خواندگی میں اضافہ تو روز ہو رہا ہے لیکن تعلیم اور روزگار کی سہولیات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اس لحاظ سے ملک میں سائنس و ٹیکنالوجی کی قدر میں اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن ابھی ملک میں خواتین کی زیادہ تعداد دوران حمل کی پیچیدگیوں یا پھر بچے کی پیدائش کے وقت موت کے شکنجے میں جکڑ جاتی ہیں۔ اس دور میں بھی معاشی سطح پر خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوئے۔

بقول یاسر پیرزادہ:

> "ان پندرہ کالم نگاروں کی فہرست میں وجاہت مسعود کا پانچواں نمبر ہے اگر کسی جنگ اخبار میں ان کا کالم شائع نہ ہو تو اخبار کا صفحہ بانجھ لگتا ہے اور جس دن چھپ جائے حاملہ عورت کی طرح بھاری بھر کم محسوس ہوتا ہے۔"(۱۲)

پاکستان کی پیداواری صورت بھی دوسرے ممالک کے مقابلے میں کم ہے۔ پاکستان اپنی کفالت کے لیے دوسرے ملکوں پر انحصار کرتا ہے۔ پاکستان میں سرمایہ کم ہونے کی بدولت پاکستانی معاشرے کی حالت نہایت خستہ خال ہے اور پاکستان کے باشندے بیرون ملک میں جانے کے لیے اور وہاں پیشہ وارانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پاکستان کے باشندے اپنی صلاحیتیوں کو بروئے کار لانے میں اس لیے بھی دوسرے ممالک سے پیچھے ہیں کیونکہ حکومت نے ریاستی اداروں میں مرتب کردہ پالیسیوں کو نافذ نہیں کیا اس لیے انسانی حقوق اور سماجی و معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ایک ضروری امر ہے۔ اس طرح کا بحران ملک و معاشرے سے ختم کرنے میں سیاست کا عمل دخل ایک لازماً امر ہے۔ اس کے علاوہ شیر خوار بچوں کی موت بھی معاشی و سماجی ترقی کی راہ میں

ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اور یہ حالات بھی ملک کو خوشحالی کی راہ پر گامزن نہیں ہونے دیتے۔ سیاسی رہنماؤں پر حملہ، تعلیم کے اداروں کو دہشت گردی کی لپیٹ میں رہنا، بچوں کے دلوں میں خوف وہراس یہ سب عناصر سماجی زندگی میں بہت عمل دخل رکھتے ہیں کیونکہ ایسے حالات بچوں کو سکول اور ادارے سے متنفر کرتے ہیں اور بچے کے ذہن میں بہت برا اثر چھوڑتے ہیں جس کی وجہ سے بچے خوف وہراس کا شکار ہو کر تعلیم سے منہ موڑ لیتے ہیں جب کہ یہ سب سازشیں صرف اور صرف ملک و معاشرے کو ترقی یافتہ دوڑ میں پیچھے رکھنے کے حربے ہیں۔ کیونکہ ایک معاشرہ تعلیم و تربیت اور نصاب کے نصب العین سے ترقی پاتا ہے۔ ایک دانشور اور پڑھے لکھے شہری کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی طور پر بھی معاشرے اور ملک میں اقتدار پسند سیاست دان اور آمریت پسند لوگوں کو پسند نہیں کرتا وہ اپنی تعلیم سے بہتر طور پر استفادہ کر کے صحیح اور غلط میں تمیز برقرار رکھتا ہے اور آنے والی نسلوں کی بہتری کے لیے روشن راہوں کی گرہیں کھولتا ہے ملک و قوم پر مسلط آمریت پسندوں کے شر سے معاشرہ اور ان کے عوام کو بچانے کی ہر ممکن کوششیں کرتا ہے اور یہ کوشش صرف اسی وقت پوری ہوتی ہے جب وہ اپنی تعلیم سے بہتر نتائج اخذ کر کے ملک و معاشرے کو علم کی تعلیم سے منور کرے۔ انتخابات کا وقت بھی قریب آتا ہے تو صرف سیاستدان ہی خوفزدہ اور گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتے بلکہ سماجی و معاشی سطح پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔یعنی جسلے، جلوسوں میں خواتین، بچے، بوڑھے شریک ہوتے ہیں وہاں پر ناگہانی صورت بھی پیش آسکتی ہے جو صرف سیاسی سطح پر نہیں بلکہ سماجی سطح پر بھی اثرات چھوڑتی ہے۔ سماجی حالات اس دور کے کسی اذیت ناک لمحے سے کم نہیں ہیں۔ معاشرے پر ماحول اور مدرسے کے اثرات سب سے زیادہ اثر کرتے ہیں۔ لال مسجد کا واقعہ، ملالہ یوسف زئی پر حملے معاشرے اور ماحول پر گہرے اور دیرپا نقش چھوڑتے ہیں جس سے مائیں، بہنیں، اپنے جگر گوشوں کو گھر سے باہر نکالنے سے ڈرتی ہیں اور بچوں کے ذہن میں بھی خوف وہراس ان کی صلاحیتیں اور ہنر دبانے کا سبب بنتی ہیں۔ یہ دور ملک کے قرضوں میں ڈوبا ہوا اور اس کی ترقی و بحالی کی خوش آئند نہیں دیتا۔ تعلیم یافتہ افراد اپنے مفاد کی خاطر ملک و قوم کو چھوڑ جانے میں اور بیرون ملک نوکریوں کو ترجیح دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی عوام غلام بن کر جینا زیادہ پسند کرتی ہے۔

ج۔ تاریخی موضوعات

اگر ہم، تاریخ کی بات کریں تو ہمیں ایسی روشن دلیلیں ملتی ہیں کہ کس طرح اپنی زندگی بزرگوں نے اپنے ملک و قوم کی سلامتی اور خوشحالی کے لیے وقف کی اور کون کون سے نقصان جھیلے۔ اپنی عزت و آبرو اور ملک و قوم کو خونخوار بھیڑوں سے بچایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنے آپ ملک کی سلامتی اور بقاء کی خاطر دوسروں کی خدمت میں اپنی زندگی بھی وقف کر دی۔ قائداعظمؒ ایک تاریخ ساز مدبر شخصیت کے طور پر ابھرے اور انسانی معاشرے پر ان مٹ نقوش چھوڑے۔ پاکستان کے وجود میں سیاسی سماجی ذمہ داری اور دیانت داری کا جنازہ نکل گیا۔ اس قوم کے بانی نے صحت مند پاک معاشرے کی بنیاد ڈالی تھی کسی بھی تفریق کے بغیر یکساں اور صحت مند پاک معاشرے کا خواب ایک خواب ہی رہ گیا۔ تاریخ پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری تمام سماجی اور معاشرتی علوم میں ''تاریخ نویسی'' کو بہت اہمیت حاصل ہے تاریخ نویسی کے ذریعے ہی معاشرے میں وسعت نظری اور وسعت قلبی ملتی ہے اسی سے ہی معاشرے میں ترقی کی راہ ہموار ہوتی ہے تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی قوم و ملک اپنے اندر تحقیق و تجسس کا مادہ پیدا کرتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کی تگ و دو کرتی ہے ماضی کے ادوار کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کن سنہری حروف سے بھری پڑی ہے چاہے وہ دور آپؐ اور آپؐ کے صحابہ اکرامؓ کا ہو یا بادشاہوں اور حکمرانوں کا ہو، سلطنت کی عروج و زوال کی داستانیں بھری پڑی ہیں۔ تاریخ کے ذریعے ہی ہم ماضی کے حالات و واقعات کو سمیٹ سکتے ہیں اور تاریخ لکھنے کا سب سے اہم مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے ماضی کی تاریک اور روشن مثالوں کو نہ بھولے اور اپنے مستقبل کو ماضی سے بہتر کر سکے۔ لیکن اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو ماضی میں ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے سماجی، معاشی، اقتصادی معاشی طور پر بہت سے ظلم اور ستم برداشت کیے۔ اپنا گھر بار چھوڑا اور ہجرت پر بھی مجبور ہوئے۔ اپنی عصمت و عزت کو بچانے کی خاطر خون کی ہولی بھی کھیلی لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں نے اس سے زیادہ کچھ نہ سیکھا اور آج بھی سستی اور کاہلی کی بدولت اپنے ووٹ کا یہی استعمال کر کے حکمران بھی نہ چن سکی۔

بقول رضی الدین رضی:

> ''کالم نگار رضی الدین کے نزدیک ان کا شمار پہلے دس کالم نگاروں میں ہوتا ہے اور انہوں نے وجاہت مسعود کالموں کا مجموعہ (محاصرے کا روزنامچہ) پر اس پر ایک مضمون (قیدی وجاہت مسعود روزنامچہ لکھتا ہے) کے نام سے جس میں انہوں نے محاصرے کا لفظ استعمال کر کے پاکستان کی ۷۰ سالہ تاریخ پر نظر دوڑانے اور اس کا احاطہ کرنے کی تلقین کی ہے کہ گزشتہ ۷۰ سالوں میں انسان نے ہر پل ایک محاصرے کی کیفیت ہی گزاری ہے کبھی سول اور ملٹری بیوروکریسی نے محاصرے میں لیا تو کبھی سیاستدان نے اور کبھی تو صنعت کار اور جاگیر دار عوام کا محاصرہ کرتے ہیں تو کبھی انصاف کے نام عدلیہ محاصرے کی کسر کو پورا کر چھوڑتی ہے۔ دہشت گرد اور عسکریت پسند بھی محاصرے کی یاد دلاتے رہتے ہیں ملک میں ہر وقت کوئی نہ کوئی مقتدر قوت زدہ طبقے کا ہی نظر آتا ہے اور محاصرے کی کیفیت برقرار ہی نظر آتی رہی۔''[۱۳]

اس کے برعکس اگر ہم دوسری تواریخ کا مطالعہ کریں تاریخ پتہ کرنی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بہت سے خاندانوں اور حکومتوں کے عروج و زوال کی داستانیں نظر آئیں گی۔ بکھر گئی اور یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اپنے ماضی سے کچھ نہ سیکھا اور اپنے اصلی مفادات کو بھول گئے اور دوسرے عناصر میں اپنی دلچسپی ظاہر کرنے لگ گئے اسی طرح مغلیہ سلطنت نے اپنے دور میں کیسی شان و شوکت والی سلطنت قائم کی اور پھر مغلیہ سلطنت کے خود آخری بادشاہوں کے وقت یہ سلطنت بھی اپنے ماضی کی تلخیوں اور مصیبتوں سے سبق سیکھنے کے بجائے حال اور مستقبل کی چکا چوند میں ڈوب کر رہ گئی اور سستی، کاہلی نے ان سے ان کی شان و شوکت، عزت سب چھین لی اور بعد میں آنے والی اقوام نے بھی کوئی خاص عبرت حاصل نہ کی۔ انسانی زندگی میں تاریخ بہت اہمیت کی حامل ہے ماضی اگر شاندار اور خوبصورت ہو تو اس سے اپنا عزم اور مقصد مضبوط ہوتا ہے اور اگر ماضی میں کچھ اچھی مثالیں نہ ملتی ہوں تو اس سے عبرت حاصل کر کے اپنے حال اور مستقبل کو

روشن اور بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ وجاہت مسعود نے اپنے کالم" قائد کی قبر کس نے کھودی" میں بیان کرتے ہیں کہ قائد اعظمؒ ایک تاریخ ساز مدبر ہونے کی حیثیت سے معاشرے پر ایسے ان مٹ نقش چھوڑے کہ زندگی رکھنے والے لوگ ان کے جسد خاکی سے بھی نہیں ملتے اور قوم کے بانی اور رہنما ہونے کی وجہ سے ان کا خواب بغیر کسی تفریق کے یعنی مذہبی ثقافتی تفریق کے بغیر ایک ایسا خواب تھا جو پاکستان کو ہم آہنگی اور معاشی ترقی میں دنیا کے لیے ایک مثال بنانا تھا۔ تاریخ میں اسلام اور سیاست کا بڑا گہرا رشتہ ہے فی الحال سیاست کے معنی اور مفہوم اس قدر بدل گئے ہیں کہ اب سیاست شروع سے آخر بدل کر رہ گئی ہے اسلام میں اگر سیاست کے بارے میں دیکھیں آپؐ کی اسوہ حسنہ مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ اکرامؓ کی عدل و انصاف اور مشاورت کی مثالیں دنیا میں نہیں ملتی لیکن موجودہ دور میں اگر سیاست کو دیکھا جائے تو موجودہ دور کی سیاست میں عدل و انصاف، رواداری، مساوات جیسی خوبیاں کہیں نہیں ملتی موجودہ دور میں رشوت، دھوکہ بازی جیسی رکاوٹیں مثالی قوم بننے نہیں دیتی۔ پاکستان میں بسنے والے لوگوں کے لیے بھلائی اور بہتری سوچنے والا ذہن اب نہیں ملتا۔ ہمارے ملک میں ادیب اور دانش ور کہیں سالوں تک ملک میں ہونے والی بدعنوانی، کرپشن، نااہلی اور جہالت کو رقمطراز کرتے رہے ہیں کیوں کہ ایک ادیب اور فنکار، شاعر ملک کی جہالت کو زیادہ حساس اور عام آدمی کی نسبت زیادہ باریک بینی سے چیزوں کو نوٹ کرتا ہے۔ شاعر یا ادیب کی موت در حقیقت ملک و قوم اور معاشرے کی موت سے کم نہیں ہوتی۔ المیہ یہ بھی ہے کہ قوموں کی تعمیر میں کسی بھی چیز کو صحیح طریقے سے پیش نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ صحیح اور واضح طور پر بیان کی گئی چیزیں قوم کی استحکام کی بنیادیں مضبوط اور طاقت ور بنانے میں نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ وجاہت مسعود اپنے مکالمے "عظیم شہری کی موت" میں ایک حساس شاعر اور ادیب کی بات کرتے ہیں کہ کس طرح وہ معاشرے کے لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچتا ہے۔ آمریت کا نظام صرف ابھی نہیں ملک میں چلا بلکہ تاریخ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آمریت کا نظام ہر دور میں اپنا دھاک بٹھاتا رہا ہے وجاہت مسعود نے اپنے کالم" تاریخ بڑے کام کی چیز ہے" میں بتایا ہے:

"دس جون ۱۹۲۴ء کو مسولینی نے ایک سیاسی کارکن کے قتل کی آڑ میں باقاعدہ فسطائی آمریت کے قیام کا اعلان کر دیا۔"(۱۴)

یعنی ہمیشہ آمریت کو جمہوریت پر فوقیت حاصل رہی ہے مضبوط اور طاقتور طبقہ ہمیشہ ہی پسے ہوئے طبقے کا استحصال کرتا ہے۔ انقلاب فرانس جو ۱۹۱۷ء میں رونما ہوا اس نے بھی عام تاریخ پر ا ایسے ان مٹ نقش چھوڑے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی دس کے ساتھ ساتھ دوسری عالمی جنگ نے بھی ملک کے حالات کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا اور دوسری طرف نو آزاد ممالک میں انقلاب کی مٹی کو اس قدر پلید کیا گیا کہ جس طرح کسی شے کا تختہ الٹ گیا ہو اور خون ریزی کا جو سلسلہ نشاۃ ثانیہ کے ساتھ شروع ہوا تھا وہ دوسری عالمی جنگ پر اختتام پذیر ہوا اور معاشرتی سطح پر جمہوریت کو ایک نئی راہ دکھائی کہ جس سے نظام کو خراب کیے بغیر انقلاب کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ کا مرکزی استعارہ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے چار سال بعد لیاقت علی کی شہادت ۱۹۵۱ء میں ہوئی جو کہ اس بات کا عندیہ تھا کہ سیاسی اقتدار رسول اور فوجی کے ہاتھوں میں جا چکا ہے یہ سارا تحمل اور عوام کی حق میں حکمرانی کا انکار ۱۹۷۱ء کی جنگ اور پاکستان کے ٹوٹنے پر فتح ہوا۔ پیپلز پارٹی کے بارے میں ۱۹۷۹ء میں یہی کوشش تھی کہ کس طرح حکومت کو فوج سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ تاریخ کو مختلف معنوں میں دیکھنا بے حد ضروری ہے تاریخ کا نظریہ پاکستان میں کیا مطلب ہے ؟ قیام پاکستان سے پہلے کے سیاسی تناظر میں اس کی کشمکش کیا تھی ؟ اور پاکستان بننے کے بعد نظریہ پاکستان کے کیا معنی ہیں اور ہم سب کا پاکستان کے باشندے اور شہری ہونے کی حیثیت سے ہمارے کیا فرائض ہیں اور کیا حق ہیں ؟ کیا ہم پاکستان کی ترقی کے خواہاں ہیں ؟ جمہوریت اور آمریت اور سیاست میں کیا اختلافات ہیں ؟ تاریخ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہماری سیاست میں عسکری قوتوں اور فوج کی مداخلت ایک قدرتی امر رہا ہے اور ایک مخصوص گروہ کے خیالات اور احساسات اور جذبات کو بنیاد بنا کر سیاست کو آگے چلایا گیا اور تاریخ میں پاکستان قیام کا مطالبہ برصغیر پاک و ہند میں موجود مسلمانوں کے مفادات اور ان کے تحفظ کے لیے تھا تاکہ برصغیر میں بسنے والے مسلمان اپنی ثقافت، تہذیب و تمدن اور مذہب کے اصولوں کے مطابق

زندگی گزار سکیں اور یہ بات واضح ہو گی کہ مسلم لیگ کی قیادت نے تمام باشندوں سے پاکستان کے قیام کے حق میں ووٹ کی اپیل کی۔ قیام پاکستان کے وقت جو جنگ و جدل کا سلسلہ اور فسادات پیش آئے یہ کسی بھی طرح قیام پاکستان کے منصوبے کے حصہ میں نہ تھے۔ ہماری تاریخ کا ایک بڑاالمیہ مذہب کو ہتھیار بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مذہب اور اس کے اصولوں پر سیاست کو جو گٹھ جوڑ اپنے مفادات کے لیے کرنی پڑتی ہے وہ مذہب، عزت ، غیرت اور ناموس رسالت کے تحت اپنے مقاصد کو پورا کر لیتے ہیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح شام اور جامعہ الازہر سے لے کر دہلی کے تحت تاریخ پتہ کرتا ہے اور مدرسہ دیو بند تک فتوؤں کی طویل ترین اور عبرت ناک داستان موجود ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ فتوؤں کی سیاست سے ۷۰ء کی دہائی میں کیا کیا اثرات اجتماعی، سیاسی اور نظریاتی اعتبار مرتب ہوئے۔ تاریخ کی طرح ہماری آج کی نسل بھی سستی، کاہلی سے سب کچھ گنوا بیٹھی ہے جیسے مغلیہ سلطنت کے حکمران نے دنیا کی عیش و عشرت اور چکا چوند میں دھنگ رہ کر اپنی شان و شوکت کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ تاریخ میں "معیشت پسندی" کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ برطانوی سامراج کا سول سروس میں ایک حد سے زیادہ مداخلت مقامی باشندوں اور مقامی سطح پر اثرورسوخ میں رکاوٹ ایک فطری عمل بن گیا جس کی وجہ سے انتظامیہ نااہلی کا شکار رہی اور حکومت میں فرق محسوس کیا جانے لگا اور یہی اختیار امتیاز / فرق آج تک ہماری حکومت اور فوج میں چلا آ رہا ہے اور ہماری جڑوں میں سرایت کر چکا ہے۔ ہر سیاسی جماعت کی تاریخ عوام سے بھولی ہوئی نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد تک جتنی بھی پارٹیاں حکومت میں آئی۔ چاہے وہ ایوب خان کا دور ہو یا یحیی خان، ضیاء الحق کا دور یا مارشل لاء کا دور ہو۔ ذوالفقار علی بھٹو، نواز شریف کی قیادت ہو یا محترمہ بینظیر بھٹو کی قیادت مسلم لیگ ق ہو یا حالیہ برسوں میں بننے والی پارٹی عوامی نیشنل پارٹی کسی نہ کسی طرح نقصان، پریشانیوں اور اندیشوں سے گزرنا پڑا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر پارٹی کو کوئی نہ کوئی مشکلات تو ضرور پیش آئیں۔ لیکن وہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے ہمیشہ عوام کو استعمال کرتی رہی۔ وجاہت مسعود اپنے مکالمے " قائداعظمؒ اہل پاکستان کے باپ تھے " میں سیاسی تاریخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"پاکستان کی تاریخ میں ایک طرفہ رجحان عشرہ بہ عشرہ ہمارے ساتھ چلا ہے قوم کی قسمت سے کھلواڑ کرتے رہے اسے ریاست کے تارو پور بکھر جاتے ہیں جمہوری عمل کی حرکیات مفلوج ہو جاتی ہیں اور آئین کی گھتیاں الجھ جاتی ہیں تو سیاسی رہنماؤں اور سرکاری اہلکاروں کو پارسائی کا سکہ جمانے کی سوجھتی ہے۔"(۱۵)

انسانی زندگی کو تاریخ اور حالیہ برسوں سے ملایا جائے تو بخوبی ہم واقف ہو سکتے ہیں کہ غربت اور معیشت کا مسئلہ انسانی زندگی کا ابھی سے نہیں بلکہ تاریخ میں بھی رہا ہے سب سے بڑا مسئلہ آبادی بڑھنا اور وسائل کی قلت۔ وسائل کی قلت ایک دوسرا مسئلہ ہے سب سے بڑا مسئلہ عقل و شعور کا بھی ہے کہ کس طرح ماضی سے سبق سیکھ حال اور مستقبل اور بہتر بنایا جاسکے وجاہت مسعود اپنے کالم "تیرا سرمایہ ہی ہاتھ تو ہیں" میں تاریخ سے متعلق بات کرتے ہیں کہ:

"۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنو میں منعقد ہوا۔ مولانا شوکت علی سربیر رائے بزم تھے۔ تقریر کے لیے اٹھے اور فرمایا۔ "سنو، جوہر لال نہر کا کہتا ہے کہ مسلمانوں کا کلچر ولچر کوئی نہیں، یہ سارا جھگڑا روٹی کا ہے۔ ارے بھائی روٹی پر تو کتے پڑا کرتے ہیں" جلسہ عام میں خوب قہقہے لگے، تالیاں پیٹی گئیں۔"(۱۶)

۲۰۱۳ء کے انتخابات بھی اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور اس کے پہلے جتنے بھی حکمران برسر اقتدار آئے سب نے اپنے ماضی سے خود کو بہتر ثابت کرنے کی پوری کشش کی۔ تاریخ کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ حکمران ہو یا عام آدمی سب اپنے مقصد اور ضروریات کی خاطر اپنے ماضی سے سبق سیکھیں اور آنے والے مستقبل میں پاکستان کو روشن کریں۔

د۔ علمی و ادبی موضوعات

اگر ہم علم سے مراد تعلیم لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں میں موجود مواد کا ذخیرہ جس کو طالبِ علم اپنی ذہانت کے مطابق اپناتا ہے اور آنے والے زندگی میں اپنے مقصد کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اگر

علم کی بات کریں تو اس صلاحیت کا نام ہے جس کو اپنا کر ایک آدمی اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو وسیع تر کرتا ہے اس کے خیالات و جذبات، اقدار، مہارتوں کا ادراک بغیر کسی امتیاز کے سب کے لیے یکساں مفید ہوتا ہے اس کی وسعت آزادی تک محدود نہ ہو بلکہ آزادی سے نہ صرف اپنی ذات بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہو۔ ادب وہ فنون عالیہ اور ہنر ہے جو زبان کے اظہار کا وسیلہ بنتا ہے۔ تہذیب و تمدن زبان کے اظہار سے ہی پھلتے پھولتے ہیں۔ زندہ تہذیب اپنی لغت اور لہجے کی خود پہچان کراتی ہے اور لغت اور لہجے سے ادب نشو و نما پاتا ہے اور نئی نسل کے لیے ترقی اور تعمیر کی روشن راہیں ہموار کرتا ہے۔ فنونِ لطیفہ میں مصوری، موسیقی روشنی اور سب کھیل شامل ہوتے ہیں۔ ادب کسی بھی معاشرے اور اس کے کرداروں کے بیان کا مقصد ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کس زبان، تہذیب، ثقافت سے تعلق رکھتا ہے۔

> "ان کا تعلق ادب سے والہانہ ہے وجاہت مسعود صاحب حادثاتی کالم نگار نہیں بلکہ وسیع مطالعہ اور مشاہدے کے بعد ادب کے راستے صحافت میں آنے اور صحافت کے بجائے ادب کو اپنی شناخت بنایا۔ آپ جیسے لوگ ہی فاشٹ لبرل کا طعنہ مسکرا کر سنتے ہیں جو روشن دنوں کے خواب دیکھتے اور ان کی تعبیر کے لیے محاصرے میں رہ کر روزنامچہ تحریر کرتے ہیں۔"(۱۷)

علم و ادب میں ایک بڑی رکاوٹ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی ریاست کے حکمران اپنے آپ کو حکومت کا حقیقی جانشین سمجھ لیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ذرائع، تعلیمی اداروں اور درسگاہوں کو اپنی ملکیت بنا بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے کسی بھی خطے یا معاشرے میں سیاسی اور معاشی پسماندگی جنم لیتی ہے اور اس تذبذب کا نتیجہ معاشی زوال اور تہذیبی انحطاط کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عقیدوں کا اختلاف، نسلی پرستی، استحصال اور ناانصافی کا نظام کسی بھی معاشرے میں علم و ادب کو اپنی جڑیں پھیلانے نہیں دیتا جس سے فسادات اور لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ علم و ادب سے انکار کرنے کے لیے ہمیں سماج یا معاشرے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ایک فرد کا ذہن معاشرے کے جن تاریک راہوں میں گھومتا ہے معاشرے کو بدعنوانی کی طرف جانے میں دیر نہیں لگتی۔ علم و ادب سے کسی بھی طبقے میں شعور اور آگہی پیدا ہوتی ہے۔ علم و ادب کو

ہم تاریخ سے ہٹ کر بیان نہیں کر سکتے کیونکہ علم و ادب کی داستان روزِ اول سے چلی آرہی ہے اگر پڑھا لکھا انسان اپنی تعلیم اور تربیت کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتا تو یقیناً اس کے لیے سیکھا علم کوئی فائدہ مند نہیں۔ آزادی صحافت کے علمبر دار قائد اعظمؒ کی قبر کشائی اس بات کا اعلان ہے کہ پیشہ ورانہ اخلاقیات کو ملک و قوم کی باشعور عوام نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ اپنی مفادات اور دولت کے حصول کی خاطر حکمرانوں کی شان میں قصیدے لکھے گئے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم" قائد کی قبر کس نے کھودی" میں بیان کرتے ہیں کہ کس طرح باشعور اور تہذیب و تمدن سے معاشرہ عاری ہو چکا ہے۔

"معصول فتح محمد بلوچ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے قائد اعظم کی قبر کھودی۔ اسے معلوم نہیں کہ یہ کارنامہ تو ان کے اساتذہ کے ہاتھوں سر انجام پایا جنہوں نے اعلیٰ عہدوں کی لالچ میں تاریخ کو مسخ کیا اور نوخیز ذہنوں کو جہالت اور تعصب سے آلودہ کیا۔"[۱۸]

ہمارے علم و ادب میں اضافہ کرنے کے لیے ہمارے ادیب اور شاعروں نے بہت سی خدمات سر انجام دیں ہیں کسی بھی ملک و قوم، خطے کا علم و ادب یہاں کی موجودہ ثقافت، تہذیب و تمدن کی عکاسی کرتا ہے اور اس چیز کو ایک عام آدمی مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتا لیکن شاعر اور ادیب، فنکار اس چیز کو باریک بینی سے محسوس کرتا ہے اور اپنی تحریروں کے ذریعے جذبات و احساسات اور معاشرے کو متوازن طور پر بیان کرتا ہے۔ فرد کا احترام علم و ادب کی سب سے اولین پہچان ہے۔ مرد ہو یا عورت، فحاشی، ناانصافی، استحصال کسی طور بھی قابل قبول نہیں۔ علم و ادب معاشرے کو ایک پر امن راہ پیش کرتا ہے جس پر چل کر معاشرے کے لوگ عقل و شعور کی سیڑھی استعمال کرتے ہیں اور اس بات کو جان سکتے ہیں کہ شخصی آزادی ہر ایک فرد کا بنیادی حق ہوتا ہے۔ علم و ادب میں فلسفہ کو اہم عنصر کے طور پر مانا جاتا ہے۔ فلسفے کے ذریعے ہی ہم منطقی اور فکری مہارتوں میں خاصی جان پیدا کر سکتے ہیں۔ حقائق تک چھان بین کرنا، مکالمے یا بحث سے نتائج اخذ کرنا دراصل فلسفے کی ہی ایک شکل ہے۔ علم و ادب کے ذریعے ہی ہم دشمن کے نایاب عزائم، کا پتہ لگانا ہے اور اپنے ملک میں ایسی ٹیکنالوجی اور ایسی تدبیریں استعمال کر سکتے ہیں جو ہمیں دوسروں ممالک سے معاشی، معاشرتی، اقتصادی طور پر ممتاز کرے۔ شمالی ہندوستان میں انیسویں صدی کے ابتدائی حصے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے

کہ وہاں کے لوگ صرف مجرمانہ پیشے میں فنی مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ مذہبی خوش و خروش اور مذہبی عقیدت اور جذبے سے بھی لیس تھے اور ملک میں امن و امان اور سلامتی، تحفظ بحال کرنے کے لیے ان کے ٹھکانوں کی سرکوبی از حد ضروری تھا اور اس لیے ایک انگریز نوجوان جو کہ منتظم کے عہدے پر فائز تھا ان کا نام ولیم ہنری سلیمن تھا اس نے ان کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ یہ معاملہ صرف جنگی حکمت عملی کا نہیں تھا بلکہ زندگی ہر شعبے کو متاثر کیا گیا خواہ وہ معیشیت ہو یا تعلیم، خاندانی منصوبہ بندی ہو یا شہری منصوبہ بندی ہر شعبے نے اس سے اثر قبول کیا۔ دوسری عالمی جنگ میں آدھے سے زیادہ یورپ فتح ہو گیا تھا ایک چھوٹا سے جزیرہ جس کا نام برطانیہ نازی تھا وہ جرمنی کی مزاحمت میں مصروف تھا۔ یورپ کو فتح کرنے کا تاج ہٹلر کے سر تھا اور اس کو اس بات کی بے چینی تھی کہ فتوحات دیکھنے کے بعد برطانوی وزیر اعظم ان سے دوستی کی درخواست کیوں نہیں کر رہا حالانکہ ہٹلر نے ایک تقریر ۱۹۴۰ء میں کی اور اس میں سوال کیا کہ میری فتوحات دیکھنے کے بعد جنگ کا کوئی جواز باقی تو نہیں گیا۔ چرچل برطانوی وزیر اعظم نے مختصر اور واضح جواب دیا کہ "جنگ کی وجہ پولینڈ نہیں بلکہ ہٹلر خود ہے۔"(۱۹)

دوسری عالمی درحقیقت اس بات کا اعلان تھا کہ فلسفہ میں سیاست اور تصور عالم سے کسی صورت بھی انکار ممکن نہیں۔ اور اس طرح ان میں امن کی موجودگی بھی بہر حال ممکن نہیں۔ نصاب کو علم و ادب میں خاصی وقعت حاصل ہے۔ نصاب ایک راستہ ہے جس پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے اگر ایسی نصاب میں منافقت کا پہلو اجاگر ہو جائے تو باشعور اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی نصاب کی افادیت کا اندازہ صحیح نہیں لگا سکتے۔ اور مفادات کے حصول کے لیے کسی بھی موضوع پر اپنی گرفت مضبوط نہیں رکھ پاتے۔ ہماری نصاب تعلیم میں اگر اعداد و شمار پیمانہ مانیں تو معلوم ہو گا ہم حوصلہ ہار بیٹھے ہیں اور تمہارے ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی تعلیم سے محروم ہے ان پڑھ لوگ ملک کی معیشت اور معاشرتی انتشار میں اضافے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ہماری تعلیم میں ایسی تبدیلیوں کی ضرورت ہے کہ تعلیم ہر فرد کے لیے مساوی درجہ رکھے اور آئندہ آنے والی نسلوں کی صحیح تربیت کی ضامن ہو۔ آمریت کا نظام بھی علم و ادب میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ ہر آنے والی خصوصیت جمہوریت کا نعرہ تو لگاتی ہے لیکن جمہوریت میں پائے جانے والے معنی اور خصوصیات کسی بھی

حکومت میں نظر نہیں آتے۔ اعلیٰ انسانی قدروں کا استحصال اور بر سر اقتدار آنے والے طبقے کا آمریت میں خیر مقدم صرف دانش وراور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد نے کیا ہے۔ علم و ادب میں اضافے کے لیے سیاست سے انکار ممکن نہیں۔ سیاست میں آئے دن ایک نیا نعرہ عوام کو بہلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہ وجاہت مسعود اپنے کالم ''ایک آنکھ ہنستی ہے'' میں بیان کرتے ہیں کہ

> ''درد مندوں کو نوید ہو کہ 'سیاست نہیں، ریاست بچاؤ' کا گمراہ کن نعرہ ایک بار پھر ہار گیا ٹھیک اسی طرح جیسے تیس برس پہلے ، چہرے نہیں، نظام بدلو، کا نعرہ ناکام ہو گیا تھا۔''(۲۰)

ذرائع ابلاغ ایک ایسا علم و ادب کا ذریعہ ہے جس سے تہذیب و ثقافت، عادات و اطوار، رہن سہن کا ڈھنگ غرض یہ کہ سیاست، معاشیات، تاریخ، سائنس، اقتصادیات کسی بھی پہلو پر باآسانی بات کی جاسکتی ہے اس کے ذریعے ایک خطے، صوبے کی ثقافت کو دوسرے خطے کے لوگوں تک پہنچائی جاسکتی ہے ذرائع ابلاغ میں اخبار، ٹی وی، کتب غرض یہ کہ اب تو جدید ترین ٹیکنالوجی بھی معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہی ایک معاشرہ دوسرے معاشرہ سے تعلق استوار کر سکتا ہے اگر کوئی خامی یا برائی ہو تو دوسرے علم و ادب سے استفادہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور اپنے معیار زندگی کو بہتر بھی بنایا جاسکتا ہے وجاہت مسعود اپنے کالم '' چراغ سب کے بجھیں گے، ہوا کسی کی نہیں ''میں صحافت کی ایک بہترین مثال دیتے ہیں:

> ''برادرم سہیل وڑائچ نے پچھلی ربع صدی میں اخباری انٹرویو کی روایت کی اس ڈھب سے آبیاری کی کہ اردو صحافت کا یہ شعبہ بالکل اسی طرح ان کے نام سے منسوب ہو گیا جیسے ساٹھ کی دہائی میں اردو فیچر نویسی کے ضمن میں مرحوم ریاض بٹالوی کا نام گونجتا تھا۔''(۲۱)

جہاں تک علم و ادب کا تعلق ہے تو علم صرف چند پڑھے لکھے تعلیم یافتہ افراد ہی پیدا کر سکتی ہے لیکن ادب سے آدمی انسان بننے کے قابل ہوتا ہے نصب العین اور پالیسیاں کسی بھی ملک و قوم اور معاشرے میں علم کی بدولت

نافذ کی جاسکتی ہیں لیکن ادب معاشرے میں ان پالیسیوں کو اپنانے اور ان کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔ فکری تجزیے کی بنیاد بھی علم وادب کی ہی بدولت پروان چڑھتی ہے سائنس اور منطق کی باتیں شواہد کی بنیاد پر کی جاتی ہیں۔ ہر فرد کا بنیادی حق ہے کہ وہ جس شعبے میں چاہے علم حاصل کرے لیکن ادب کو اپنانا اور معاشرے میں نافذ کرنا ہر ایک کا فرض انسان اپنے بچوں کو بہتر تعلیم، بہتر ماحول فراہم کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے لیکن درسگاہوں میں بچے کو بھیج کر اس کے علم میں اضافہ تو کر سکتا ہے لیکن اس کے ذہن کو صرف معاشرہ اور ادب ہی پروان چڑھا سکتا ہے۔ جس طرح کیمسٹری، فزکس سائنس کی کتابیں سائنس دان تو پیدا کر سکتی ہیں لیکن مسلمان اور غیر مسلم پیدا کرنا سائنس کا کام نہیں جو صرف مذہبی عقیدے پر منحصر ہے۔ صحافت بھی علم وادب کی ایک قسم ہے اس سے مراد صرف پیسہ کمانا نہیں بلکہ یہ ایک تمدنی خدمت بھی ہے صحافت کا اولین مقصد قومیت، نسل پرستی، رنگ، مذہب غرض یہ کہ بلا تفریق حق اور سچ کی بات دوسروں تک پہنچانا ہے صحافی کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنی خبریں کھری اور کھوٹی میں اپنے غرض اور مقصد کے لیے کوئی بھی ردوبدل نہ کرے حق کی بات عوام تک پہنچانا ہی اس کا اولین فرض ہونا چاہئے اور ملک و قوم کی ترقی اور بہتری کو یقینی بنائے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم "خبر کا امتحان اب ہو گا" میں ایک صحافت کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہیں کہ:

> "اہل صحافت کسی سیاسی جماعت یا انتخابی امیدوار کی ترجمانی کرنے کے بجائے عوام کو معاشی مسائل اور انتخابی عمل کے بارے میں آگاہ کریں۔ ذاتی مفاد اور گروہی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر صرف واقعاتی امور اور قابل تصدیق حقائق بیان کیے جائیں تا کہ عوام اپنے حق رائے دہی بہتر طور پر استعمال کر سکیں۔"(۲۲)

جمہوریت بھی علم وادب کی ایک اہم شاخ ہے جمہوریت کی اپنی پہچان اور ثقافت ہے جمہوریت میں ہر کوئی یکساں اپنا حق رکھتا ہے اس کی بدولت قوم اور خطے کے لوگوں کو یکساں حقوق فراہم ہوتے ہیں کوئی کسی سے بالاتر نہیں ہوتا۔ پڑھا لکھا، ان پڑھ ہو یا امیر، غریب سب اپنے مفادات کی خاطر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے کام لیتے ہیں اس کی بدولت تمام لوگوں پر یکساں قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ تعلیم وصحت، روزگار اور رہائش جیسی سہولتوں سے درکنار انسانوں کی خوشیوں اور آزادیوں کو بھی یقینی بنایا جاتا ہے۔ ادیب کسی بھی معاشرے

کا اہم سرمایہ ہوتے ہیں ایک ادیب معاشرے میں ہونے والی حادثات ، واقعات کو ایک خاص نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور اس کو بہتر کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے ایک ادیب آسان اور سہل الفاظ کا انتخاب کر کے اپنے خیالات و جذبات کو قاری تک پہنچاتا ہے اور زبان کا انتخاب ادیب کا بنیادی حق ہے۔ ادیب اپنی نظم، غزل، نثر کسی بھی صنف میں قارئین کو معاشرے کے حالات و واقعات سے ہر ممکن آگاہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے ادب میں داستان، ناول اور افسانے کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ میر امن کی ''باغ و بہار'' داستان جس میں معاشرت و ثقافت کو بیان کیا ہے اس کے علاوہ قراۃ العین حیدر کا ناول ''آگ کا دریا'' جس میں چار تہذیبوں کی عکاسی کی گئی ہے سعادت حسن منٹو کا افسانہ "نیا قانون" معاشرے کی عکاسی کی بہترین مثال ہے ادب چاہے کسی بھی زبان میں ہو اپنے ماحول اور معاشرے کی عکاسی بہترین اور لازوال ہی کرتا ہے۔ موجودہ دور کی بات کی جائے اور آج کا آدمی ایک سہل پسند، آرام طلب، سستی اور کاہلی کا شکار ہے اور وہ آسان سے آسان اور آسائش کی زندگی گزارنے کا متلاشی ہے موجودہ دور کی ایک ضرورت کمپیوٹر نے پوری کر دی ہے نئی، نسل تعلیم میں کمپیوٹر کی تعلیم کو اہمیت دیتے ہیں ارتقاء کا چلن کچھ اس طرح سے ہے کہ نئے آدمی کا رعب و دبدبہ بہت ہے اور پرانی نسل کو وہ کوئی شے نہیں مانتے۔ علم صرف ایک راستہ ہے جو نصاب مہیا کر کے انسان کو منزل مقصود تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے لیکن ادب ہی وہ مرحلہ جس سے اپنا کر آج کا انسان اپنی معاشرے اور ماحول کو ساز گار اور صحیح میں ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتا ہے۔ تعلیم کا سب سے بڑا المیہ یہ بن گیا ہے کہ نوجوان بچے تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ کی ڈگری تو حاصل کر لیتے ہیں مگر وہ احساسات و جذبات سے عاری ہوتے ہیں یہ بچے خود کو بڑوں سے زیادہ سمجھدار سمجھ لیتے ہیں لیکن اخلاقیات کا درس صرف اور صرف ماحول اور معاشرے کے ساتھ چلنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے معاشرے اور لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جمہوریت میں عام لوگوں کو حقوق ضرور ملیں تاکہ معاشرہ بھی ایک مضبوط ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکے اور یہ سب تعلیم کے ذریعے اخلاقیات پر توجہ دینے سے ممکن ہے۔ ملک کے ذرائع مبادلہ میں اضافہ علم کی بدولت ہی ممکن ہے کیونکہ انسان کے ذہن میں فکر و فلسفے میں اضافہ اور نئے نئے شگوفے کھلنا علم کے ذریعے ہی ممکن ہے جوں جوں معاشرہ ترقی کرتا انسان نے بھی دریافت اور ایجادات میں نت نئے

انکشافات لائے۔یعنی تاریخ میں انسان پڑھا لکھا نہیں تھا تو اس کے پاس سوچ اور فکر بھی اسی لحاظ سے نہیں تھی جس سے انسان نے فائدہ اٹھا کر خود کو ڈھانپا اور اس وقت خورد ونوش کی کمی تھی۔ لیکن جوں جوں انسان نے شعور سے کام لیا تو اس کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئی اور اس نے ملک میں ایک مقام پیدا کر لیا اور یہ سب علم و ہنر اور انسانی شعور کی بدولت ہی فروغ پایا گیا۔ جستجو اور لگن نے انسان کو اس فکر پر مجبور کر دیا کہ انسان نے سائنسی دریافت کا طریقہ بھی اپنا لیا۔ علم و ادب کے حوالے سے یہ دور ایسا دور ہے جس میں سائنس و ٹیکنالوجی نے ترقی کر لی ہے اور انسان نے چاند پر قدم رکھ دیا ہے لیکن افسوس کے علم و ادب کو صرف تعلیم کے طور پر ہی سیکھا ہے اخلاقیات و آداب کو سنوارنے کی ذرا بھی سعی نہیں کی۔ ان کے ذہن میں علم سے شعور اور آگہی موجود ہے لیکن اپنی صفوں کو بہتر کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے کی عزت کا بھرم بھی نہیں رکھتے۔

ر۔ خصوصی موضوعات

خصوصی موضوعات سے مراد ایسا موضوع ہے جس میں کسی اہم شخصی واقعہ، حادثے کو پیش نظر رکھ کر ایک ادیب، شاعر اپنے احساسات و جذبات کو قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ اس میں موضوع چاہے سیاست کا ہو یا معاشرت، اقتصادیات کا ہو یا سائنس کا ماحول اور معاشرے پر گہرا اثر چھوڑتا ہے یہ دنیا بھی ایک خاص مقصد کے تحت بنائی گئی اس میں بسنے والے لوگوں کو راستہ فراہم کر دیا گیا کہ اس پر چل کر دنیا و آخرت کی بھلائی کما سکتے ہیں اور وہ راستہ ہے قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل اور سنت رسولؐ کی اطاعت اس پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت کو سنوار سکتا ہے اس کے علاوہ ایک شخص جب علم و آداب سے آگہی اور شعور اور ذہنی آسودگی حاصل کر لیتا ہے تو اس میں دنیا کو سمجھنے اور اس کے ذریعے لوگوں کی مدد کرنے اور بہتر سے بہتر حالات پیدا کرنے کا فن دوسروں سے کئی زیادہ ہوتا ہے۔ مغلیہ دور کی شان و شوکت کسی بھی طور دوسرے ممالک سے ترقی یافتہ دوڑ میں پیچھے نہ تھی۔ بادشاہوں اور حکمرانوں نے اپنی تعریف میں قصیدے لکھوائے۔ لیکن جب آخری حکمران تخت نشین ہوا تو وہ عیش و عشرت میں اس قدر کھو گیا کہ حکومت زوال پذیر ہو گئی۔ اس کے غدر کا واقعہ جس نے برصغیر پاک و ہند میں ایک قیامت کی صورت دنیا کو دکھائی اس میں لوگوں کی

عصمت، جان ومال، اولاد کسی بھی طرح محفوظ نہ تھی اور لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ بھی ایک خاص نقطہ نظر کے تحت تھی جس میں یورپ نے دوسرے ممالک کو شکست فاش دی تھی۔ اس کے بعد نشاۃ ثانیہ کا دور بھی ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں رمضان شریف میں ۲۷ کی رات جو لیلۃ القدر کی رات تھی مسلمانوں کے امتحان میں آزادی کی نعمت ملی اور یہ نعمت قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء کی دن ورات کی مسلسل کوششوں سے یہ عظیم نعمت مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ ان تمام کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ برصغیر میں رہنے والے مسلمان اپنی مرضی سے اپنی تہذیب و ثقافت اور مذہب کے اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ وجاہت مسعود اپنے مکالمے میں قائداعظمؒ کی کوششوں کو سراہتے ہیں اور ساتھ ہی اس چیز پر کاری ضرب بھی لگاتے ہیں کہ جن لوگوں کے لیے مسلسل محنتوں اور کوششوں سے پاکستان حاصل کیا وہ لوگ دیانت داری، سماجی ذمہ داری اور ملاوٹ سے گریز نہیں کرتے۔ کند ذہن علم کی روشنی سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے جہالت کے اندھیروں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس قوم کے بانی نے ایسا خطہ تشکیل دیا تھا جہاں وہ بلا تفریق حسب، نسب، ذات پات اور امیر غریب کے ایک اصول نافذ کرنا چاہتا تھا تعلیم یافتہ اور ان پڑھ سب کے لیے یکساں قانون ہو لیکن اس عظیم رہنما کی خدمت کو کسی نے بھی یاد نہ رکھا اور اپنی خودغرضی مٹانے کے لیے ہمہ تن کوشاں رہے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم ''قائد کی قبر کس نے کھودی'' میں بیان کرتے ہیں کہ:

> ''قائداعظم کی قبر ان سفید پوش، عمائدین نے کھودی جنہوں نے متروکہ املاک کے لالچ میں اخلاقی گراوٹ کے ایسے نمونے پیش کیے کہ پاکستان بنتے ہی یہاں سے سماجی ذمہ داری اور دیانت داری کا جنازہ نکل گیا محمد علی جناح نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اقرباپروری اور ملاوٹ سے گریز کی ہدایت کی تھی۔''(۲۳)

وجاہت مسعود اپنے مکالموں میں دنیا کے بیشتر خطوں کی تقرری اور ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کی بات کرتے ہیں کہ کس طرح دنیا کے بیشتر ممالک جب جنگ و جدل میں ایک کھنڈر کی صورت

اختیار کر کے دوبارہ اپنے اندر ایسی طاقت، ہمت اور حوصلہ کو جنم دیتے ہیں کہ ترقی اور از سر نو بحالی کی راہیں بھی استوار کر لیتے ہیں اشتراکیت اور آمریت سے جان چھڑا لیتے ہیں ان ممالک میں سب سے بہترین یورپ، مشرقی یورپ اور سویت یونین ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ہر شعبے میں زوال اور انحطاط نظر آیا۔ معاشی حالت خراب تھی اور پاکستان کے باشندوں نے اپنی زوال اور پستی سے کچھ نہ سیکھا بلکہ امانت داری اور دیانت داری جیسی صفات بھی کھو بیٹھا۔ پاکستان میں دہشت گردی، مدرسوں، سکولوں، مسجدوں کو نشانہ بنانا پاکستان کی معیشت اور معاشی انحطاط کو دعوت دینے کے مترداف ہے۔ پاکستان میں تعلیمی حالت میں خرابی پیدا کرنا دہشت گردوں کا اولین مقصد ہے۔ ان تمام خرابیوں سے نمٹنا پاکستان کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں ہے۔ لال مسجد کا واقعہ ہو یا ملالہ پر حملہ، بیرونی ٹیم کی پاکستان میں عزت محفوظ نہ رہنے والہ واقعہ جو کرکٹ ٹیم پر حملہ ہوا یہ سب واقعات پاکستان کے شرمندہ ہونے کے لیے کافی ہیں جب کہ ہر قوم اپنی ترقی کی بنیادیں مظبوط درسگاہوں سے ہی ممکن رکھ سکتی ہے۔ قوم کی تشکیل اور معاشرے کی ترقی میں مدرسہ، ادارے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بڑے استاد جہاں تعلیم اور مذہب کا درس وہاں بڑے بڑے اختلاف کا سلیقہ بھی رکھتے اور ہنر بھی جانتے ہیں۔ سیاست میں آمریت کو وقعت حاصل ہے۔ باشعور طبقہ بھی آمریت ہی کو ملک و ملت اور معاشرے میں پروان چڑھاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی حکمران اور سیاست دانوں کی شان میں تعریف کے پھول باندھتا اور اپنی ساکھ مضبوط کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔ فوج بھی حکومت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنے مفادات کو پورا کرتی ہے۔ جیسے وجاہت مسعود نے اپنے مکالمے "حافظ رسید مو سم گل" میں جرنل اشفاق کیانی کی ملاقات میں ان میں جن الفاظ کا ذکر تھا۔ ان کو بیان کیا کہ:

"اپنے نمائندوں کا انتخاب عوام اور اختیار ہے۔ فوج کی آئینی ذمہ داری ہے کہ جو بھی حکومت بنے، اس کا ساتھ دے۔"[۲۴]

نظریہ پاکستان کا تقاضا بھی اس جمہوریت کی پردہ پوشی کرتا تھا کیوں کہ پاکستان کا مطالبہ عوام کو برابر اور یکساں قانون، مساوات اور برابری کے حقوق فراہم کرتا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں ملک بھر میں تبدیلی کا نعرہ

لگایا گیا اور یہ نعرہ ایک سیاست دان ذو لفقار علی بھٹو کی زیرِ نگرانی میں فضا میں بلند ہوا۔ اس نعرے نے دنیا بھر میں رہنے والوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا۔ مزدور، طالب علم اور کسان کا طبقہ تھا اور سب کی اپنی اپنی ضروریات تھیں اس طرح اس میں اشتراکیت کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ وجاہت مسعود کے مکالموں میں قومی نصب العین اور پالیسیوں کو مرتب کرنے کا بھی کردار نمایاں ہے یہ ان پالیسیوں کو فکری اور تجزیاتی سانچے میں ڈھالنے کے خواہاں ہیں جس سے پاکستان کی ساکھ مضبوط اور تعلیمی نظام میں بہتری واضع ہو سکے۔ صحافت بھی ایسا موضوع ہے جو اپنے اندر بے شمار خوبیاں اور خامیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ صحافت سے مراد خبر، صحافت کا تعلق صرف زبان سے نہیں ہے بلکہ یہ اپنے اندر تمدنی اور سیاسی عمل کی گہری صورتیں بھی رکھتا ہے۔ صحافت صرف صحافی تک محدود نہیں اور نہ ہی اخبار، ٹی وی تک محدود ہے بلکہ صحافت کا دائرہ بہت وسیع ہے اس میں ہر انسان ہر وہ فرد جو کچھ بھی لکھنے یا پڑھنے کی اہلیت رکھتا ہو اس کا فرض اولین ہے کہ وہ اپنی ذات کو دوسروں کے آگے بالکل صحیح طور پر پیش کرے اور یہاں تک معاشرے میں رونما ہونے والی زندگی تمام تر تبدیلیوں کا بھی صحیح احاطہ کرے۔ ہر وہ فرد جو کسی بھی چیز میں اہلیت رکھتا ہو خواہ وہ صحافی ہو یا سیاست دان، استاد ہو یا چوکیدار پیش آنے والے تمام واقعات سے ملک و قوم اور معاشرے کو کھری اور سچی باتوں سے آگاہ کریں کیونکہ اس کو جو کچھ بھی خود کے ساتھ پیش آتا ہے ان کو چاہیے کہ دوسروں کی جس طور پر مدد کر سکیں نیک نیتی اور دل لگی کے ساتھ کریں اس سے ملک و قوم اور خصوصاً ماحول اور معاشرے میں دوستی، امن و سکون، مساوات اور حق جیسی صفات پیدا ہوں گی جو کہ ایک خاص عنصر سے تعلق رکھتی ہیں۔

"وجاہت مسعود نے پاکستان کے ادب، سیاست، ثقافت اور صحافت کی بند کھڑکیوں کو کھولنے میں کسی طرح کی سستی، کاہلی اور ابہام وغیرہ سے کام نہیں لیا۔" (۲۵)

ہمارے ملک میں بیرونی طاقتوں کا مسلط ہونا اور اقتدار پر مظبوط شکنجے گاڑنا اور ہمارے ملک کے باشندوں کا استحصال ایک خاص موضوع ہے جس پر روشنی ڈالنا بے حد ضروری ہے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ ایسے کون سے اقدامات ہیں جن کو عملی طور پر اپنا کر ہم اس غلامی کو ملک سے اکھاڑ پھینکیں۔ غلامی جسمانی طور پر نہیں ہے بلکہ ذہنی طور پر ہے جو کہ ہر پاکستانی کے ذہن میں ہر وقت کھٹکتی رہتی ہے۔ اس کے لیے حکومت کو

چاہیے کہ وہ خاص توجہ ملک کی معاشی، اقتصادی حالت میں بہتری اور خوشحالی کے لیے دے تا کہ پاکستان بھی ترقی کر سکے۔ ملک میں دہشت گردی کا عنصر ایک ایسا بدترین ہے جو ملک کے مفاد کو نقصان پہنچاتا ہے بیرونی اور خارجہ پالیسیوں میں ترقی کے بجائے رکاوٹ کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے ملک کے حالات کافی خراب رہتے ہیں کیونکہ ہم نے پاکستان کے مفاد کو پس پشت ڈال کر بیرون ملک طاقتوں اور ان کے فائدے کے آگے سر جھکا کر ملک میں خیر وبرکت کی اور اصلاح کی کوشش نہیں کر پاتے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم (Take a Bow, Mr. President) میں بھی ایک خاص موضوع کو بڑے دلچسپ انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس میں آصف علی زرداری کو برسراقتدار آنے کے بعد ان کے خیالات وجذبات، فکر اور سوچ کی عکاسی کی گئی ہے کہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ کے پیچھے درد کی ایک داستان چھپی ہے بے نظیر بھٹو کی شہادت سے سندھ بھر میں پاکستان کے اور بالخصوص سندھ کے عوام کس درد کو سہہ رہے تھے اور آصف علی زرداری منتخب صدر کے طور پر افق پر نمودار ہوئے جبکہ بے نظیر کی قیادت عوام کے لیے ایک ایسی قیادت تھی جو عوام کے لیے ساز گار اور عورت کے جذبات زیادہ قابلِ قدر تھے اور آصف علی زرداری سیاسی داؤ پیچ سے زیادہ واقف نہ تھے ان کی صلاحتیں قیادت کے رہنما کی حیثیت سے کمزور تھیں جس کی بناء پر ۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں واپس ن لیگ کی قیادت سامنے آئی۔ وجاہت مسعود کا ایک کالم ”کہا کہ ڈرون کا ڈر ہے“ میں بیان کرتے ہیں کہ ہماری قیادت کو بیرونی خطرات لاحق ہیں اس کے لیے وہ مذاکرات پر اکتفا کرتی ہے کہ کسی طرح ملک کو پریشانیوں اور مشکالات سے نکالا جائے۔ مذکرات کو کامیاب بنانا ایک اہم مشن ہے اگر مذکرات میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو بدامنی اور انتشار کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وجاہت مسعود، آیئے بھارت کا مقابلہ کریں (محاصرے کا روزنامچہ)، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۰

۲۔ ایضاً، ہمارے سیاسی کارکن، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۹۷

۳۔ ایضاً، دل کو لازم ہے کہ اس ناز پہ اثبات کرے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۱۸۵

۴۔ ایضاً، ہمارا قومی وقار کیسے تباہ ہوا؟، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۶

۵۔ ندیم رحمن ملک، راقمہ کا، ٹیلی فونک انٹرویو ۲۳ نومبر ۲۰۱۹ء

۶۔ بے وقت کی راگنی، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۳

۷۔ یاسر پیرزادہ راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء

۸۔ قومی مفاد کا ناگزیر تقاضا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۳۳

۹۔ ایضاً، خوشی اور اتنی فراوانی سے؟، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۴۵

۱۰۔ ایضاً، آیئے بھارت کا مقابلہ کرے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۶۲

۱۱۔ ایضاً، اُٹھو اب ماٹی سے اُٹھو، جاگو میرے لال، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۱۰۵

۱۲۔ یاسر پیرزادہ راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء

۱۳۔ رضی الدین رضی، راقمہ کا، ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۱۴۔ تاریخ بڑے کام کی چیز ہے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۸۶

۱۵۔ ایضاً، قائداعظم اہل پاکستان کے باپ تھے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۱۹۲

۱۶۔ ایضاً، تیرا سرمایہ یہی ہاتھ تو ہیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۴۰

۱۷۔ رضی الدین رضی، راقمہ کا، ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۱۸۔ قائد کی قبر کس نے کھودی، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۱۹

۱۹۔ ایضاً، قومی مفاد کا ناگزیر تقاضا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۳۳

۲۰۔ ایضاً، ایک آنکھ ہنستی ہے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص۸۸

۲۱۔ ایضاً، چراغ سب کے بجھیں گے 'ہوا کسی کی نہیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص۱۲۵

۲۲۔ ایضاً، خبر کا امتحاں اب ہو گا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص۱۴۲

۲۳۔ ایضاً، قائد کی قبر کس نے کھودی، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص۱۹

۲۴۔ ایضاً، حافظ رسید موسم گل، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص۱۰۹

۲۵۔ رضی الدین رضی، راقمہ کا، ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

باب سوم

وجاہت مسعود کے کالموں کا فنی تجزیہ

الف۔ صحافتی زبان اور ادبی زبان میں فرق

صحافتی زبان پر بات کرنے سے پہلے اس چیز سے بخوبی واقف ہونا چاہیے کہ صحافت کیا ہے؟ صحافت میں ہر اُس طرح کا کام شامل ہے۔ جو جرائد ورسائل، ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر مبنی ہو یا خبریں جمع کرنا، لکھنا اور اخبارات میں شائع کرانا۔ دوسری طرف علمی اور سائنسی یا پیشہ وارانہ کام ہو صحافت میں سب شامل ہے۔

> ”صحافت کا لفظ ”صحیفہ“ سے نکلا ہے ”صحیفہ“ کے لغوی معنی ”کتاب یا رسالہ“ ہے۔“ (۱)

انگریزی میں صحافت کے لیے Journalism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو جرنل سے ماخوذ ہے اور جرنل کے معنی ہیں ”روزنامچہ“، ”روزانہ حساب کا بہی کھاتہ“ صحافت کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحافت بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان۔ انسان کو روز اول سے ہی اپنی خبر اور بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ اور وسیلہ اختیار کرنا پڑتا۔ صحافت ابتدائی مرحلے میں حکمرانوں کی ضرورت و منشاء کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ صحافت مختلف شکلوں اور مختلف پہلوؤں میں اپنی ذمہ داری نبھاتی آئی ہے۔ صحافت رسائل و جرائد کی شکل میں ریڈیو، ٹی وی کی شکل میں کتب، پمفلٹس، پوسٹرز کے لیے بڑا چیلنج رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں صحافت کا کام کبھی جاسوسی نظام کے ذریعے سرانجام دیا گیا تو کبھی فوجی چھاؤنی کے ذریعے اور کبوتر بھی قاصد کا کام کرنے میں پیش پیش رہے۔ صحافی زبان کو رائج کرانے کے لیے صحافت میں صحافی کا کردار کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا صحافی ہی ایک نقاد اور مصنف ہوتا ہے جو اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ عوام تک پہنچائی گئی خبر جھوٹی ہے یا سچی۔ صحافی کے اندر مندرجہ ذیل خوبیوں کا ہونا ضروری ہے جس سے صحافت کا پیشہ پوری قوت سے ترقی کر سکتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں پر صحافت کی گہری چھاپ ہے۔ زمانے کی تیز رفتاری میں سائنس اور ٹیکنالوجی انسان کی ایک اہم ترین ضرورت بن گئی ہے۔ انسان کو سماجی اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے صحافت سے منسلک رہنا ایک ضروری تقاضا ہے۔

حسن محمد عسکری اپنی کتاب "وقت کی راگنی" میں لکھتے ہیں:

"انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کو پہچانے۔ اس لئے جو انسانی سرگرمی ہمیں حقیقت کے جتنا قریب لائے گی وہ اتنی ہی قابل قدر ہو گی اور جتنی دور جائے گی قدر میں اتنی ہی کم ہوتی جائے گی۔" (۲)

معاشرے سے جہالت کے اندھیرے کو ہٹا کر روشنی سے ہمکنار کرنا صحافت نے اپنا اولین مقصد جانا کیونکہ صحافتی زبان کے ذریعے ہی معاشرے میں فروغ اور ارتقاء ممکن تھا۔ صحافتی زبان ایسی زبان ہے جس کو ناخواندہ افراد بھی سمجھ سکتے ہیں۔ صحافتی زبان کا دائرہ کار خاصا وسیع ہے۔ صحافت معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔ سماجی و اخلاقی اقدار کی پرورش، تعلیمی دائرہ کار اور اصلاح معاشرہ یہ تمام تر تقاضے صحافت ہی کے مرہون منت تھے۔ ہر دور میں انسان کو اپنا پیغام اور خبر دوسروں تک پہنچانے کے لیے صحافت کی زبان کو اپنانا پڑا۔ صحافتی زبان میں درج ذیل خوبیاں ہیں جس کی وجہ سے ہر دور میں اس کو مقبولیت حاصل رہی ہے۔ صحافتی زبان سادہ اور عام فہم زبان ہوتی ہے جس کی وجہ اس کو ہر طبقہ کے لوگ آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اس میں پیچیدہ اور غیر مناسب الفاظ کا چناؤ نہیں کیا جاتا۔ عبارت میں بار بار ایک لفظ کو صحافت کے طور پر نہیں لیا جاتا جبکہ اس کا اصل مقصد عوام کو معلومات پہنچانا ہوتا ہے۔ صحافتی زبان میں وہم اور الہام کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ صحافی کو ہر بات سچی اور صاف الفاظ میں دوسروں تک پہنچانا ہوتی ہے۔ ادیب ہو یا صحافی سب کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ واقعات کو انسانی نفسیات کے مد نظر رکھ کر بیان کرنا ہے۔ صحافتی زبان میں علامات کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ زبان صرف بولنے اور آواز کا سہارا لیتی ہے لیکن جو انسان بول نہیں سکتے وہ اپنے جذبات و احساسات کو اشاروں، کنائیوں اور علامات کی صورت میں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ در اصل صحافتی زبان کا اصل مقصد ملک و قوم معاشرے اور ماحول میں پیش آنے والے واقعات اور حادثات کو دوسروں تک بغیر کسی روک ٹوک کے پہنچانا ہے۔ اس سے دوسرے انسان فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں اور اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

ادبی زبان

ادب میں ادبی زبان کی وقعت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرہ صحافتی زبان کا متقاضی ضرور ہے لیکن ادب کے بغیر یہ بھی ممکن نہیں۔ ادب میں افسانے، ناول، انشائیے، طنز و مزاح اور ڈرامے ہی شامل نہیں بلکہ عملی زندگی بھی علمی، سائنسی، تکنیکی، اقتصادی، معاشی، سماجی، تاریخی ادب کی ضرورت ہر ایک کو کسی نہ کسی طرح رہی ہے۔

بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ:

”زندگی میں جذبات کی اہمیت کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے مگر جذبات کی عقلی تنظیم کے بغیر زندگی فی الفور ایک خارزار بن کر رہ جاتی ہے۔“(۳)

ادب صرف حسن، جمالیات کا ہی محور نہیں بلکہ ادب انسانی جذبات و احساسات کی بہترین عکاسی کا ذریعہ ہے ادب کسی بھی ماحول اور معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر اپنے اندر اتنی خوبیاں ضرور رکھتا ہے کہ ادیب اور فنکار اپنے ضرورت کے تحت اس سے فائدہ اٹھا سکیں ادب کسی بھی ثقافت، تہذیب و تمدن اور عادات و اطوار کی عکاسی کرتا ہے۔ ادبی زبان صحافتی زبان کی نسبت قدرے مشکل اور پیچیدہ ہوتی ہے یہ اپنے اندر رمز و کنایہ، علامت، تمثیل سے بھرپور ہوتی ہے جس سے قاری کو پڑھنے میں وقت پیش آتی ہے۔ ایک عام انسان ادیب اور فنکار کی نسبت زندگی کو فطرتاً حقیقت سے تعبیر کرتا ہے وہ ادب کی رومانوی فضا میں خود کو قائل اور مگن کرنے کے بجائے زندگی کی حقیقت اور اس کا سامنا کرنے کو پسند کرتا ہے ایک عام انسان اپنے حالات و واقعات سے نمٹنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے ادب کی بے شمار اقسام ہیں کہ ادب کن کن پہلوؤں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ادب میں طبقاتی اعتبار سے ایک طبقہ میں ایسا ہوتا ہے جو اخبارات، رسائل و جرائد اور کتب سے استفادہ کرتا ہے یہ لوگ اپنی تحریروں میں اشاروں کنائیوں کی زبان استعمال کر کے مشکل اور پیچیدہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو عام قاری کو باآسانی سمجھ نہیں آتے یہ اپنے خیالات و تصورات کو واضح طور پر بیان کر تے ہیں یہ طبقہ معاشرے کے باشعور افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور عام لوگوں کو معاشرے کے عمل دخل میں سر گرم عمل اور فعال رکھتے ہیں۔ ایک اور طبقہ جو معاشرے میں ادب سے صرف تعلیم / علم حاصل کرنے کی حد تک واسطہ رکھتا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شعور اور عقل سے حاصل کی ہوئی تعلیم سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں اخبارات، جرائد و رسائل کو پڑھنے اور سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ یہ طبقہ شعراء اور ادباء سے ذرا کم تر کا ہوتا ہے کیونکہ یہ ادب کی باریک بینی اور پیچیدگیوں سے واقف نہیں ہوتا۔ صحافتی اور ادبی زبان میں نمایاں فرق تقاضے، انفرادیت اور اقدار کے الگ الگ ہونے سے بھی ہے۔ علم و ادبی زبان میں

ادیب افنکار، شعراء سب کی تحریریں اور تخلیقات انفرادیت کی حامل ہیں جو کوئی معاشرے کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے انہیں جذبات واحساسات کو زبان کی شکل میں ادب کا حصہ بناتا ہے اس میں ہر ایک کی انفرادی کوشش موجود ہوتی ہے سب کا اسلوب انوکھا، منفرد اور اپنی پہچان کا حامل ہوتا ہے جبکہ صحافی کو اس کے برعکس اجتماعی کوشش کرنی پڑتی ہے وہ ملک و قوم، معاشرے میں وقوع پذیر ہونے حالات وواقعات اور حادثات کو جس طرح دیکھتا ہے اسی طرح دوسروں تک پہنچانے کا پابند ہوتا ہے ایک صحافی کسی بھی خبر میں اپنی مرضی سے کوئی چیز نہ توڑ سکتا ہے اور نہ ہی نکال سکتا ہے اور اس کو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرنا ہوتا۔ علم و ادب میں وقت، حالات، رجحانات، دلچسپی، ضرورت اور تقاضے کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ وتراکیب کا چناو کرنا پڑتا ہے۔

> ”وجاہت مسعود اپنے کالموں میں صحافتی زبان کے اصولوں کے تابع ضرور نظر آتے ہیں یعنی صاف شفاف، مختصر، جامع اور اگر موضوع اجازت دے رہا تو کھل کر بات کرنے والے کیونکہ وہ اپنی تحریر میں تزئین و آرائش، تصنع، بناوٹ، ملاوٹ جیسی خامیوں کو جگہ نہیں دیتے۔“[۴]

جس سے ادیب اور فنکار اپنا دامن چھڑا نہیں سکتے۔ ان کو خیالات و تصورات کی نزاکتوں کو سمجھنا اور ان کو رمز و کنایہ، تشبیہ وغیرہ جیسے تخلیقی عناصر میں ڈھال کر الفاظ کا جامہ پہنانا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صحافی کو سادہ، عام فہم زبان کا سہارا لے کر معاشرے کو حالات وواقعات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے اس کو مساوی طور پر اپنا پیغام پہنچانا ہوتا ہے تاکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ / متوسط طبقہ سب اس کی زبان اور الفاظ سے مکمل طور پر مستفید ہو سکیں۔ ایک صحافی اپنے پیشے سے اس وقت تک نبرد آزما نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاشرے میں پیش آنے والے واقعات وحالات سے دوسروں کو معروضی طور پر حقائق سے آگاہ نہ کرے۔ ایک صحافی کو اپنے پیشے میں اپنی پسند اور ناپسند کو پس پشت رکھنا پڑتا ہے اپنی ذاتی رائے سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ اپنے جذبات و احساسات کو مکمل طور پر دل و دماغ سے نکال کر ہی ایک صحافی اپنے کام سے وفاداری کر سکتا ہے۔ جبکہ علم و ادب میں ادیب / نقاد معاشرے میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی آئندہ نسل کے لیے موضوع بنا کر ان کو

حقائق کے دائمی اور ابدی نقصانات اور فائدے سے آگاہ کر سکتا ہے ایک ادب ہی معاشرے کو پھلنے پھولنے میں مدد دے سکتا ہے۔ الغرض ادب اور صحافت کا معاشرے کے بغیر کوئی کنارہ نہیں دونوں کا معاشرے سے گہرا تعلق اور واسطہ ہے دونوں معاشرے کی عکاسی کے ساتھ ساتھ عوام کی نفسیات اور ان کے احساسات و جذبات کو مد نظر رکھتے ہیں تاکہ عام لوگ ادب اور صحافت دونوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ضروریات و حالات کے پیش نظر معاشرے میں تبدیلی کا عنصر ہمیشہ سے لازمی امر رہا ہے اور زندگی نام ہی تبدیلی کا ہے تو بدلتے ہوئے رجحانات کے پیش نظر ادب اور صحافت کی بھی الگ الگ پہچان ہے جو ماحول و معاشرے کو آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے تاکہ انسان وقت اور ضروریات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکے۔

> "ادب اگر خواہش اور امنگوں کا نام ہے تو صحافت حقائق شناسی اور عمل کا نام۔ ادب اگر عدم ہے تو صحافت وجود۔۔۔۔ ادب اگر اندھیرا ہے تو صحافت روشنی ادب افسانہ ہے تو صحافت حقیقت۔۔۔۔۔۔ ادب رنگینی و دلکشی ہے تو صحافت سادگی و پرکاری۔۔۔ ادب تخیل ہے اور صحافت عمل۔۔۔"(۵)

اس کے ساتھ ساتھ ایک ادیب جو کچھ بھی لکھتا ہے وہ اپنی پوری قوت، دل جمعی، خوشی، خلوص نیت کے ساتھ لکھتا ہے اس کا مقصد معاشرے کے لوگوں کو محفوظ کرنا ہوتا ہے جبکہ ایک صحافی کو جو خبر بھی دوسروں تک پہچانی ہوتی ہے اس میں وہ اپنی ذاتی پسند اور ناپسند یا کوئی رائے کچھ بھی نہیں دے سکتا وہ صرف حقائق سے دنیا کو آگاہ کرتا ہے اور ایسی زبان استعمال کرنا پڑتی ہے صحافی کو جس سے ایک بڑا طبقہ واقعات و حالات اور خبر سے آگاہ ہو سکیں۔ ادبی زبان میں صحافتی زبان کی نسبت گرائمر اور فصاحت و بلاغت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ ادبی زبان کی ترجمانی صحافتی زبان کی نسبت دل کے جذبات و احساسات سے تعلق رکھتی ہے جبکہ صحافتی زبان صرف حالات واقعات کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ صحافتی زبان کی نسبت ادبی زبان میں ذو معنی اور مبالغہ کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اور صحافتی زبان اس سے پاک ہوتی ہے جبکہ ایک صحافتی خبر کو دوسروں تک پہنچانے میں اپنی پسند ناپسند اور رائے نہیں دے سکتا۔

ب۔ فصاحت وبلاغت

کالم چونکہ ادبی اور صحافتی دونوں زبانوں سے تعلق رکھتا ہے تو اس میں فصاحت وبلاغت کا عنصر نہایت اہمیت کا حامل ہے فصاحت وبلاغت سے مراد ایسی زبان استعمال کرنا پڑتی ہے جس میں موضوع کی انفرادیت کا پہلو نمایاں ہو۔ یعنی آسان عام فہم اور سادہ الفاظ کا استعمال نہایت موزوں ہے فصاحت وبلاغت سے مراد یہ بھی کہ کلام کو جامع اور مختصر انداز میں قاری کے سامنے پیش کرنا اور اس انداز میں بیان کرنا کہ کلام کا حسن مجروح نہ ہو اس میں جامعیت کا پہلو نمایاں رہے۔ اس سے مراد سمندر کو کوزے میں بند کرنا کے ہیں۔ وجاہت مسعود بھی اپنے کالموں میں فصاحت و بلاغت کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور قارئین کے لیے اپنی تحریروں کا موضوع نہایت آسان اور عام فہم استعمال کرتے ہیں تاکہ قاری کو موضوع اور بات آسانی سے سمجھ آسکے۔ جیسے وجاہت مسعود اپنے کالم '' قائد کی قبر کس نے کھودی '' میں قائداعظم کی لازوال قربانیوں کے نتیجے میں ایک تحفہ جو پاکستان کی صورت میں ملا اور یہ ریاست کن تقاضوں کی مرہون منت تھی ؟ اور قائداعظم الگ ریاست کو کسی طرح بنانا چاہتے تھے ؟ یہ موضوع پڑھتے ہی قاری کا ذہن اس بات آ کھڑا ہوتا ہے کہ جو بانی پاکستان نے الگ ریاست کے قیام کے وقت سوچا تھا ہماری نسل علم جیسی دولت حاصل کرنے کے بعد بھی ان اخلاق و آداب سے عاری رہی جیسے

> '' آزادی صحافت کے علمبردار قائداعظمؒ کی قبر ان صحافیوں نے کھودی جنہوں نے تمام پیشہ وارانہ اخلاقیات کے بالائے طاق رکھتے ہوئے حکومتوں کی دہلیز پر قلم رہن رکھا۔ ''(۶)

یعنی ایک حکمران کو جن صفات کا حامل ہونا چاہئے تھا لیکن کوئی بھی حکومت اور حکمران ان اخلاق و عادات کی حامل نہیں۔ حکمران صرف اپنی ہوس اور نام و شہرت کی خاطر ملک میں فساد برپا کر رہے ہیں۔ قومی کے بانی نے قیام پاکستان میں ذات، پات، نسل، رنگ کی تفریق ختم کر کے ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب کے احکامات کو صادر کرنا تھا جبکہ پاکستان کے حکمران تو یہ ساری روایات کو بھول کر صرف اپنی منزل کو پانے کی

جستجو میں ہیں۔ملک و قوم میں تمام ہے لوگوں کو یکساں سہولیات فراہم کی جائیں لیکن اس معاشرے میں امیر کے لیے الگ قانون ہوتا ہے اور غریب کے لیے الگ جب کوئی طاقتور غلطی کرے تو چھوڑ دیا جاتا ہے اور قانون کی پاسداری صرف غریب کے لیے رہ جاتی تھی جیسے وجاہت مسعود اپنے کالم "بے وقت کی راگنی ۔۔۔" میں بیان کرتے ہیں کہ

> "ریاستی اداروں کا کام کسی مخصوص معاشرتی نمونے کو حتمی معیار قرار دینا یا شہریوں کی شخصی آزادی میں مداخلت کرنا نہیں بلکہ معاشرے میں تنوع اور رنگا رنگی کو اس طرح مربوط کرنا ہے جس سے تمام شہریوں اور طبقات کی آزادی کا تحفظ ہو سکے۔"(۷)

اس میں فصاحت و بلاغت کا عنصر نمایاں ہے کہ کس طرح امیر اور غریب کے لیے قانون کی پاسداری بھی الگ الگ طریقوں کی حامل ہے ایک فرد سے دوسرے فرد کا استحصال بھی لازمی امر بن گیا ہے "بے وقت کی راگنی۔۔۔" سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ کوئی وقت ایسا بھی نہیں آیا جس میں امیر و غریب کو یکساں سہولیات اور ماحول فراہم ہو۔ امیر اپنے تحفظات کے لیے بڑے بڑے کام کر سکتا ہے جبکہ غریب چکی میں پستا چلا جاتا ہے۔ کسی بھی خطے میں اپنی ساکھ مضبوط کرنے کے لیے معاشی / معاشرتی / اقتصادی اور سیاسی طور پر اس ملک کو مضبوط اور مستحکم ضرور ہونا چاہئے تا کہ وہ دنیا کی نظروں میں اپنا قومی وقار، عزت اور تحفظ کو یقینی بنا سکے۔ لیکن ہماری نسل نے اپنے ماضی کی روشن اور تلخ حقیقتوں سے کچھ نہ سیکھا کسی بھی ملک میں بسنے والے افراد اپنے ماضی کی روشن حقیقتوں سے سیکھ کر اپنی بنیاد کو مضبوط کر لیتے اور کچھ ماضی کی تلخ پیش آنے والے واقعات سے کوئی سبق نہیں سیکھتے اور منہ موڑ لیتے ہیں وجاہت مسعود بھی اپنی تحریروں میں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ ماضی میں کس طرح مسلمانوں نے اپنی ساکھ مضبوط کی اور جو رعب و دبدبہ اور کامیابی دنیا میں حاصل کی تھی۔ اس کو ہماری موجودہ نسل نے سستی، کاہلی اور لاپروائی میں بہا کر رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اپنے بزرگوں کی دی ہوئی عنایت کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اشتراکیت کا نظام، نسل پرستی کسی بھی ملک و قوم کے لیے ہمیشہ خسارے کا باعث رہی ہے وجاہت مسعود اپنے کالم "ہمارا قومی وقار کیسے تباہ ہوا" میں بیان کرتے ہیں:

''۱۹۴۷ کے عالمی تناظر میں پاکستان کی ابتداء خاصی خوش آئند تھی۔ مسلم اکثریتی ممالک میں پاکستان واحد ملک تھا جہاں سیاسی عمل میں جمہوریت کا بنیادی خاکہ موجود تھا۔ خواندگی کی شرح بہت بلند نہ سہی لیکن پاکستان کا تعلیم یافتہ طبقہ اہلیت کے اعتبار سے مسابقت کی صلاحیت ضرور رکھتا تھا۔ پیداواری ذرائع کی پسماندگی کے باوجود انتظامی اور قانونی ڈھانچے بڑی حد تک استوار تھے۔ اس پس منظر میں پاکستان کے لیے ترقی کرنے کے روشن امکانات موجود تھے۔ تاہم ایسا نہیں ہو سکا۔ آج پاکستان میں ہر شعبے میں انحطاط نظر آتا ہے۔ ریاست کی عمل داری معدوم ہو رہی ہے۔''(۸)

کسی بھی ملک کی ترقی کا انحصار وہاں کی موجود سیاست کی دلچسپی سے عبارت ہے۔ کیونکہ حکمران ہی اپنے ملک اور اس کے باشندوں کا سرپرست ہونے کے ناطے وہاں کے فائدے اور نقصان کے بارے میں سوچتا اور آئین کو عمل درآمد کرتا ہے سیاست میں ایک خراب پہلو یہ ہے کہ جو پارٹی سیاست میں آتی ہے وہ پہلے تو جمہوریت کا نعرہ لگاتی ہے عوام کی امیدوں کو مضبوط کرتی اور ان کو یقین دلاتی ہے کہ آپ کے مطالبے صرف اور صرف ہماری حکومت ہی پورا کر سکتی ہے اور غریب عوام کو مہنگائی سے چھٹکارا صرف ہماری حکومت کے آنے سے ہی ممکن ہے وجاہت مسعود نے اپنے مکالمے میں بھی نہایت آسان اور سادہ الفاظ میں حکومت کی اس رواداری کو بھی بیان کیا ہے کہ کس طرح وہ عوام کو اپنے ساتھ لگاتے ہیں۔

''آمرانہ اور نیم جمہوری ادوار کے دوران ایسے انفرادی اور گروہی ذہن نے فروغ پایا جو جمہوریت کی بجائے سازشی طور پر طریقوں پر یقین رکھتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جمہوریت سے گریز کی روایت نے ان عناصر کو بے پناہ فائدہ پہنچائے ہیں ہمارے ہاں بد عنوانی کی دہائی ایک مقبول مشغلہ ہے۔''(۹)

یعنی بدعنوانی، کرپشن، غربت، مہنگائی کارونا اور ایک پارٹی نے دوسری پارٹی کو نیچا دکھانے کے لیے یہ تمام حربے اپنا رکھے ہیں اور عوام کو بیوقوف بنانا اب حکومت کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے کوئی بھی پارٹی ان

عناصر کو اپنا مضبوط ہتھیار سمجھ کر عوام کے احساسات و جذبات کے ساتھ کھیلتی ہے اور اپنے مقصد اور مفاد کو پورا کرتی ہے کسی بھی پارٹی کے سیاسی کارکن اپنی پارٹی کی جان ہوتے ہیں یہ لوگ معاشرے اور ماحول سے ایک حکمران کی نسبت زیادہ تعلق اور واسطہ رکھتے ہیں کسی بھی پارٹی کو کامیاب کرانے میں سیاسی کارکن کا عمل دخل ہوتا ہے اس لیے سیاسی حکمران اپنے کارکن سے اس حد تک تعلق رکھتے ہیں یا ان کو اس حد تک یقین اور اعتماد میں لیتے ہیں کہ یہ سماج میں ہماری ساکھ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور ان کی تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ پہچانوں کی حامل نہیں ہوتی۔ ان کی صرف سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت عوام سے تعلق رکھتی ہے اور عوام کی نفسیات کے پیش نظر یہ خود کو ڈھالتے ہیں تا کہ عوام کو ان کی بات سمجھ آسکے۔ سیاست دان جب برسر اقتدار آتے ہیں تو ملک و معاشرے کی استحکام / مضبوطی کے لیے بلند و بالا دعوے کرتے ہیں اور جب اپوزیشن میں بات چھیڑتی ہے تو اس بات سے اپنے آپ کو غیر انجان حکومت کی طرح خود کو پیش کرتی ہے کہ اب جتنی مشکلات عوام کو یا حکومت کو پیش ہیں وہ صرف پچھلی حکومت کی وجہ سے ہیں جو اب اقتدار میں نہیں رہی اور خود بڑے اچھے طریقے سے ان تمام نقصانات سے دامن چھڑا لیتی ہے اس کی مثال وجاہت مسعود نے اپنے مکالمے ”سیاسی قیادت کا امتحان“ میں دی ہے کہ

> ”گویا فارسی محاورے کے مطابق گائے مثل مقدمہ نگل لی، قصاب نے گائے ذبح کر لی اور قصاب اللہ کو پیارا ہو چکا۔ اب اس ڈھول کو پیٹنے سے سیاسی اقتدار تو ہو سکتی ہے، ملک و قوم کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔“ (۱۰)

ملک اور معیشت کو ترقی کی راہ میں گامزن کرنے کے لیے عوام کا ہاتھ بہت اہمیت رکھتا ہے کسی بھی ملک و قوم کی عوام اپنی مستقبل کی بہتری کے لیے حکومت کے بنائے قوانین، اداروں، پارلیمنٹ کی عزت کا پاس کرتی ہے اور ملک و قوم کو منزل مقصود تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے یہ سب رجحانات اسی طور پورے ہو سکتے ہیں جب عوام میں شعور، آگہی کا مادہ موجود ہو اسے معلوم کہ کن کن تقاضوں کے تحت وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی کو بہتر اور محفوظ بنا سکتی ہے کسی بھی معاشرے کی ترقی کا انصار مساوات، انسانی وقار، عزت پر مبنی

ہے اور جب ملک میں بسنے والے تمام انسانوں کو ایک جیسا برابری کا حق حاصل ہو۔ وجاہت مسعود نے بھی اپنے مکالمے "ہم اداس کیوں ہیں" اس میں معاشرے کی ترقی کا راز بتایا ہے۔

> " ہماری اداسی محض غربت کا سوال نہیں۔ یہ وسائل کی قلت سے بھی جنم نہیں لیتی۔ ہماری اداسی ہمارے الجھاؤ سے نکلی ہے۔ ہمارے معاشرت کی سمت طے نہیں ہوئی، ہماری سیاست میں نشانِ منزل کا تعین نہیں ہوا ہم نے مل جل کر رہنے کے لیے ضروری خطوط نہیں کھینچے۔ ہماری اداسی انہونی کے خوف کا نام ہے۔" (۱۱)

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے انسان اپنا انداز گفتگو بہتر کر سکتا ہے اور سوچنے، اندازِ فکر پر آمادہ کرنے کا ہنر صرف اور صرف تعلیم میں مذکور ہے۔ ایک جاہل ان پڑھ اور ایک تعلیم یافتہ انسان دونوں ایک جیسا نہیں سوچ سکتے قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ

> "کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مہذب معاشرہ اپنی تعلیم و تربیت کی بدولت ہی ترقی کرتا ہے اور استاد معاشرے میں ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے سائے میں طالب علم کے کردار اور اس کی تربیت کی جڑیں پھلتی پھولتی ہیں۔ وجاہت مسعود اپنے مکالمے میں نہایت عمدہ الفاظ میں استاد کی اہمیت / وقعت کو سامنے لاتے ہیں۔

> " استاد تو ایک کیفیت کا نام ہے جو شفقت کے لہجے میں طالب علم کی تہذیب کرتا ہے، سوچنا سکھاتا ہے۔ استاد کا علم نمائش کی چیز نہیں، زیر زمین پانی کی طرح جڑوں کو سیراب کرتا ہے۔" (۱۲)

مہذب، تہذیب و تمدن، ثقافت، عادات یہ سب عناصر صرف پاکستان کے نہیں بلکہ کسی بھی ملک و قوم کی انسانی زندگی کا اثاثہ ہیں یہ تمام عناصر خطے کی بحالی اور ترقی کا ضامن ہوتے ہیں اور انسان ان کو اپنا کر ہی

اپنے آپ سے وفا کر سکتا ہے اور معیار زندگی کو بہتر اور آسان بنا سکتا ہے۔ فصاحت و بلاغت میں ایک اہم جز صحافت بھی شامل ہے اس میں خبر کو آسان اور عام فہم الفاظ میں دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے صحافی کا کردار ایک اہم کردار ہوتا ہے جو نہایت ہی سادہ الفاظ کا چناؤ کر کے لوگوں کو حالات و واقعات سے آگاہ کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کا ایک بڑا طبقہ حالات و واقعات سے بہرہ ور ہو سکے اور قوم و معاشرے قوم کو بہتر بنیادیں ترقی کے لیے فراہم کر سکے صحافت کا پیشہ اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتا ہے خواہ وہ علمی صحافت ہو یا تمدنی، سیاسی اور سماجی، صحافت کے پیشے میں ہر طرح کا علم ہے جو اپنے اندر بے شمار خوبیاں لیے ہے۔

"صحافت کی زبان محض آداب مجلس کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ اس کا گہرا تعلق تمدنی مکالمے کی سمت اور سیاسی عمل کی صورت گری سے بھی ہے۔"(۱۳)

عورتوں کی تعلیم کسی میں خطے معاشرے میں ایک روشن مینار کا کام دیتی ہے عورتوں کی بدولت ایک نئی قوم اپنی تعلیم کو آگے بڑھا کر اپنے ملک و قوم کو روشنی مہیا کر سکتی ہے کہ معاشرے اور ملک و قوم کی ترقی عورتوں کی تعلیم و تربیت کے ہی مرہون منت ہے اور پاکستان میں ناخواندہ کی تعداد پہلے کی نسبت بڑھی ہے اور اس کو وجاہت مسعود نے اپنے مکالمے "ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں" میں بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں آبادی کے اضافے کا ایک نہیں کئی بڑے سبب ہیں یعنی بچیوں کی کم عمری میں شادی پھر بچوں کی پیدائش میں مناسب وقفہ نہ ہونا اور حمل کی پیچیدگیوں میں بہت سے مائیں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں اس کا مناسب حل یہی ہے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا جائے۔ مجموعی طور پر فصاحت و بلاغت کی پیش نظر وجاہت مسعود نے ایسی خرابیوں کو منظر عام پر لایا ہے جس سے قطع نظر کر کے ہم معاشرے کے ساتھ نا انصافی کریں گے ان غلطیوں کو سدھار کے ہی ہم اپنے ملک و قوم کے لیے ترقی کی راہ ہموار کر سکتے ہیں فصاحت و بلاغت کا استعمال وجاہت مسعود کی تحریروں میں نہایت ہی موثر انداز میں موجود ہے انہوں نے اپنی بات کو ایک بڑے پر کشش انداز میں قارئین تک پہنچایا ہے اور معاشرے اور ماحول کو روز مرہ واقعات اور حالات سے باخبر رکھنے کے لیے کالم کی صورت میں ایک سادہ اور آسان زبان استعمال کی ہے۔

ج۔ جامعیت

کسی بھی تحریر کو دلکش، پر اثر اور جاندار بنانا جامعیت کے زمرے میں شامل ہے مواد اکٹھا کرنا اور اس میں اپنی معلومات کے ذریعے حسن پیدا کرنا اور فائدہ مند بنانا تا کہ یہ تحریر دوسروں کے لیے کار آمد ثابت ہو، جامعیت کہلاتا ہے جامعیت میں الفاظ کے بہت بڑے ذخیرے کو مختصر اور جامع کر کے نہایت ہی دلکش انداز میں دوسروں کے سامنے پیش کرنا کہ مواد اپنی اصل خوبصورتی کو برقرار رکھتے ہوئے قارئین کے سامنے آئے اور اس کی اہمیت اور وقعت مجروح نہ ہو۔ جامعیت کا عنصر اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے جب تحریر میں انسان کے نفسیاتی معیار کو مد نظر رکھا جائے گا اس کے علم کے معیار کے مطابق اس میں الفاظ کو خوبصورتی کا جامعہ پہنایا جائے تا کہ تحریر میں اصل مقصد پوری طور پر آویزاں ہو۔ جامعیت کے عنصر میں تحریر کو غیر ضروری آرائش و زیبائش، مرصع اور مرقع اور بوجھل تحریر بنانے کے بجائے سادہ اور آسان، عام فہم زبان کو استعمال کیا جائے تا کہ قارئین میں دلچسپی کا عنصر پیدا ہوا۔ وجاہت مسعود نے کالم نویسی میں جامعیت کے عنصر کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے

> " دنیا بھر میں جہاں جمہوریت کا پودا لگایا جاتا ہے وہاں ابتدائی طور پر سیاسی مخالفین کا کانٹے کا جوڑ پڑتا ہے۔ ایک دوسرے کے حسب نسب کی خبر لی جاتی ہے۔ مخالفین کی حب الوطنی پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں مقصد اپنا سیاسی تشخص قائم کرنا ہوتا ہے۔"(۱۴)

اگر اس کلام کے موضوع دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ کس جامعیت کے ساتھ دنیا کی سچائی کو اس میں بند کیا گیا ہے کہ دنیا میں سیاست ہو یا عام انسان کی بات ہمیشہ نعرہ اور حق کی بات میں "یا" کا ایک عنصر چھپا رہتا ہے جو دوسروں کے سامنے نہیں آتا۔ کیونکہ ہر انسان ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی غرض میں خلوص نیت، دیانت داری، اخلاق حسنہ جیسی عادات کو بھول بیٹھا ہے۔ وجاہت مسعود نے دوغلے پن کو کالم میں واضح موضوع کے ساتھ بیان ہے کہ انسان کا چہرہ اور دل دو دو الگ نظریات کے حامل ہیں۔ ایک موضوع میں بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کی ریاست میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اپنا معاشرتی اور سیاسی مسلط قائم کرنا چاہتے ہیں

اور ملک و قوم کو ایک خالی کورے کاغذ کی طرح دنیا کی فہرست سے باہر نکال دینا چاہتے ہیں اس میں سیاسی حکمران ہوں یالال مسجد میں ہونے والا واقعہ۔ دہشت گردی کی یہ بدترین مثالیں ہیں۔

وجاہت مسعود اپنے مکالمے "قومی مفاد کا ناگزیر تقاضا" میں بیان کرتے ہیں کہ

> "پاکستان کی زمین پر ایسے عناصر وجود میں آ گئے ہیں جو پاکستان کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور یہاں کے باشندوں پر اپنا فلسفہ سیاست، معاشرتی طور طریقے اور تصورِ عالم مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں القاعدہ کا نام دیا جائے یا طالبان کا، فرقہ وارانہ تشدد کا علمبردار قرار دیا جائے یا مذہبی انتہا پسند۔"(۱۵)

ملک سے اگر امن و سکون، انصاف، دوستی جیسی اخلاق و عادات اور عناصر غائب ہو جائیں تو ملک کیا معاشرہ بھی پھل پھول نہیں سکتا۔ کسی بھی ملک و قوم کے ساتھ اخلاق سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے جو وہ حکمران اپنی عوام کے ساتھ رکھتا ہے مختلف ادارے اور جماعتیں اپنی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے کارکنان کا سہارا لیتی ہیں خطروں سے دوچار کوئی بھی ملک اور خطہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ وجاہت مسعود بھی اپنے کالم " ظلم کے بارے میں خواب اور حقیقت " میں معاشرتی ظلم وانتہا، خوف وہراس کو بیان کرتے ہیں کہ ملالہ یوسف زئی پر حملہ معاشرتی، سیاسی دہشت گردی کی بدترین مثال ہے اور اس کے نتیجے میں نوجوان نسل میں عزم و ارادے میں لغزش پیدا کرنا اور ملک و قوم میں ناپاک عزائم کو رائج دینا بھی انتہا پسندوں کی چالیں ہیں۔ ڈراما اور حقیقت میں کوئی فرق نظر آتا ہے اگر آتا ہے تو وہ فرق زندگی میں حقیقتوں اور ڈرامے میں موجود کرداروں کے چہروں پر۔ یہ بات عین درست ہے کہ ایک انسان کو اس وقت تک چیز کی قدر نہیں ہوتی جب تک اس کے پاس وہ چیز کھو نہ جائے اور اس وقت تک اہمیت اور وقعت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں نے ملک میں ہونے والے ملالہ یوسف زئی کے حملے اور اس کی بیماری کو ایک ڈراما قرار دیا جو معاشرتی اور سماجی صورتحال پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے۔ انتہا پسند، لبرل فاشٹ اور سکولرازم وجاہت مسعود کے کالم موضوع سے دلچسپ اور جامعیت سے لبریز ہیں۔

> "وجاہت مسعود کا شمار ان چند کالم نگاروں اور ادیبوں میں ہوتا ہے جو جمہوریت ، احترام، آدمیت اور انسانی حقوق کی بالادستی کی بات کرتے ہیں۔"[۱۶]

اس سے قاری کو صاف صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس میں سیاسی دشمنی، خانہ جنگی، ایک دوسرے سے نفرت ، قتل وغارت کا بازار گرم ہو گا۔ انتہا پسند فرقے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ خود کو صحیح اور دوسروں کو غلط ثابت کرے اور نہیں گمراہی کے راستے تک لے جائے۔ دوغلے پن اور بناٹ کا چہرہ تو معاشرے میں ہر فرد نے پہنا ہوا ہے جہاں وہ خود کو پرہیز گار، متقی انسان اور دوسرے کو دوغلے پن کا مرقع قرار دیتا ہے نظریہ پاکستان ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں جامعیت کا لفظ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے نظریہ پاکستان کا مقصد ہی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کا قیام جہاں وہ اپنی مرضی اور خوشی سے اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ نظریہ پاکستان سے تمام برصغیر کے مسلمانوں کی امیدیں وابستہ تھیں اس اصطلاح میں بہت سے مقاصد پہناں تھے۔ کہ مسلمان اپنی الگ ریاست میں مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن کو پوری آزادی اور امن و سکون کے ساتھ اپنا کر اپنی زندگی بہتر اور پرسکون بنائیں گے جہاں وہ ایک خدا ایک رسول اور ایک قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو خوشحالی سے ہمکنار کریں گے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم "اشک دامن میں بھرے، خواب کمر پر رکھا" میں اسی حوالے سے بات کرتے ہیں کہ

> "۱۹۷۱ کے پراشوب عہد کو چھوڑ کر معاشی، سماجی، قانونی، عسکری اور سفارتی سطح پر کبھی ایسے کٹھن حالات درپیش نہیں ہوئے۔ اگر ان حالات میں ہماری سیاسی قیادت دستوری حکمرانی کا پرچم بلند رکھ سکتی ہے تو یقیناً ملک کو درپیش دیگر مسائل پر قابو پا کر معاشی ترقی کا راستہ بھی ہموار کر سکتی ہے۔"[۱۷]

علیحدہ ریاست کا قیام بھی اسی اصول کی بناء پر رکھا گیا تھا کہ ہر فرد بلا تفریق حسب، نسب، نسل، امیر غریب، گورا کالا سب کو ریاست میں برابر کے حقوق اور فرائض دیے جائیں گے جہاں سب اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی گزار سکیں گے وجاہت مسعود بھی اپنے کالم "اٹھو اب ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال" میں بیان کرتے ہیں۔

”عقیدے کی بنیاد پر کسی امتیاز کے بغیر تمام شہریوں کی حفاظت ریاست کا بنیادی فرض ہے اور ہماری ریاست اس فرض کی ادائیگی میں مسلسل ناکام ہو رہی ہے۔“(۱۸)

اس میں وجاہت مسعود کا مقصد بیان کرنے کا صرف اتنا ہے کہ ہمارا ملک جو پہلے بے بسی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اب بھی اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے انصاف اور قانون کے اصول کو نہ اپنا کر ماضی کے عظیم ہستیوں کی قربانیوں کو فراموش کر کے دوبارہ سے ملک کی حالت کو نیست و نبود کر دیا ہے ملک میں دوبارہ سے عقیدوں اور فرقوں کو بنیاد بنا کر قتل و غارت اور جنگ و جدل کا بازار سر گرم کر رکھا ہے ہمارے ماضی میں تو صرف اپنا گھر بار اس لیے چھوڑنا پڑا تھا کہ عقیدت اور فرقے کو بنیاد بنا کر لوگوں کی جانوں سے نہ کھیلا جائے۔ عورتوں کی عزت اور احترام کو چار دیواری میں محفوظ کرنا ایک بہت بڑا مقصد تھا لیکن افسوس تعصب اور تنگ نظری کی بدترین روایت ابھی بھی ملک و قوم میں موجود ہے۔ جمہوریت کا لفظ اپنے اندر بے شمار معنی سموئے ہوئے ہے۔ اس میں عوام کو پورے حق دیئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی بات حکومت تک پہنچا سکیں۔ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر سکیں لیکن یہاں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ عوام میں عورت کا وجود شامل ہے یا نہیں کیوں کہ عورت کو معاشرے میں وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ملنا چاہیے تھا۔ عورت زندگی میں چلنے والی اس گاڑی کے پہیے ہیں جس میں عورت اور مرد برابر کے شریک ہیں۔ عورت کو برابری کا حق اس کو اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ اس لیے جمہوریت میں عوام میں سب کے حق کو برابر تسلیم کرنا ایک بنیادی فریضہ ہے۔

”آپ لبرل ازم، ترقی پسند اور کچھ منٹو ازم موضوعات کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اور منطقی دلائل پر دوٹوک بات کو اہمیت دیتے ہیں۔“(۱۹)

وجاہت مسعود بھی اسی نظریے کے حامل نظر آتے ہیں وہ اپنے کالم ”نئے سیاسی اور سماجی منظر کے ممکنہ کردار“ میں عورت کو بھی معاشرے کے سرگرم عمل میں ایک ضروری حصہ قرار دیتے ہیں کہتے کہ ملک کی معیشت میں بہتری اسی طور ممکن ہے جب عورت کو بھی امتیازی قوانین اور تعصبات سے ہٹ کر معاشرے کا اہم رکن تصور کیا جائے گا کیونکہ عوم کی بہتری اور بھلائی معیشت کی بہتری اور بھلائی میں مضمر ہے اور اس

صورت حال کو نبھانے کے لیے نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت اور اچھی بنیادوں کی ضرورت ہے۔ اجتماعی اور انفرادی سطح پر اقدار اور روایات کی عکاسی اور تفہیم ملک کی فکری ساخت میں ایک اہم عنصر ہے کیونکہ لوگوں کی اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو ابھارنا اور ان سے فن اور فکر کی جڑیں پیوستہ کرنا کسی بھی ملک و قوم، ماحول اور معاشرے کی ترقی و ترویج کے لیے ضروری ہیں۔ مدرسہ، تربیت و کردار میں اہم حصہ ہوتا ہے اساتذہ کا کردار طالب علموں کی تربیت اسی ماحول اور معاشرے میں ڈھلتی ہے مثال کے طور پر لال مسجد کا واقعہ دیکھیں تو مولوی حضرات نوجوان ذہن میں اس قدر معاشرے سے بغاوت بھر دیتے ہیں کہ وہ جنت کے خواب میں معاشی حالت تک خراب کر دیتے ہیں کہ دہشت گردی جیسی لعنت کو اپنے گلے میں ڈال کر خوف وہراس، ڈر، خوفزدگی کی مثالیں قائم کرتے ہیں۔ ماضی میں ہمارے بزرگوں نے اپنی عصمت کو بچانے کی خاطر، ملک و قوم میں ایک قانون کا نفاذ، اقلیتوں کے تحفظ، مذہب، ثقافت، تہذیب و تمدن کو رائج کرنے کے لیے جن جن قربانیوں سے پاکستان کو حاصل کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم اگر اپنے آباؤ اجداد کی قربانیوں کو فراموش نہ کرتی تو ملک و قوم میں بدعنوانی، کرپشن، دھوکہ دہی کبھی رواج نہیں پاتا۔ انگریزوں کی حکمرانی کو زیر تسلط کرنا ایک لازمی امر ہے کیونکہ برطانوی سامراج سے کسی بھی معاشرے کا چھٹکارا پانا ضروری ہے وجاہت مسعود اپنے کالم "شاخوں پہ انگلیوں کے نشان" اس میں بیان کرتے ہیں کہ انگریزوں کا تسلط ہو اور ملک پر قابض ہونا / یا ڈرون حملوں کی صورت میں ملک میں دہشت گردی پھیلانا، عافیہ صدیقی قوم کی بیٹی کی عزت کی بے حرمتی کرنا / ملک دشمنی کی زد میں ہے بلکہ ماضی میں بھی ان سب میں انگریزوں کی کارستانی موجود تھی۔ ملت کا پرچم سربلند رکھنے کے لیے قائداعظمؒ نے ہر حربہ استعمال کیا اور ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب بھی ہوئے لیکن ان پر بیرونی حملے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انہوں نے کسی ایک قبیلے اور قوم کے لیے جدو جہد نہیں کی تھی بلکہ تمام برصغیر کے مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں سے نکالنا چاہتے تاکہ وہ کھلی فضا میں سانس لے سکیں۔ ادب کسی بھی طور ناگزیر نہیں ہے یہ معاشی طور پر اور معیشت کی بہتری کے لیے ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ زبان ایک ایسا اظہار کا وسیلہ ہے جس سے لغت اور لہجہ کے ساتھ ساتھ تہذیب بھی آئندہ نسلوں تک پہنچتی ہے وجاہت مسعود اپنے کالم "ادب کی معیشت" میں ادب کو کسی بھی خطے / قوم کا ایک اثاثہ

اور سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ ادب کا لفظ اپنے نادر جامعیت کا سمندر لیے ہوئے ہے اس میں نفسیاتی، علمی، ادبی ہر طرح کا موضوع ادب سے جڑا ہے جس سے کسی بھی طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ''معیشیت کی تہذیب'' وجاہت مسعود نے بڑی پرکاری سے پاکستان کے مسائل کو بیان کرنے کی کشش کی ہے اس میں انہوں نے ایک ہی لفظ کو استعمال کر کے بتایا کہ پاکستان کی بہتری اور ترقی پاکستان میں موجود غربت کے مسائل، آبادی کی تعداد میں اضافہ اور انسانی محرومی کی دور کر کے ہی ممکن ہے۔ اس میں وجاہت مسعود گزشتہ سالوں میں پاکستان کی موجودہ آبادی اور دوسرے ممالک میں موجود آبادی کو موازنے کے طور پر لیا ہے کہ پاکستان کی ترقی اور معیشیت میں کن کن عوامل کار فرما ہونا ضروری ہے اس میں صاف و شفاف، حکمران، قانون کے اصول، دوستی اور سب سے بڑھ معاشی / ثقافتی اقدار کا انتخاب۔ وجاہت مسعود اپنے کالم ''تیرا سرمایہ یہی ہاتھ تو ہیں'' میں بیان کرتے ہیں کہ پاکستان کے عوام میں صلاحیت یا ذہانت کی کمی نہیں بلکہ وہ دوسرے ممالک یا دوسری قوموں کے پیچھے لگیں بلکہ اداروں کو چاہئے کہ اپنے ملک کے باشندوں اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے مناسب سرمائے کا انتظام کرے اور ان میں موجود خوبیوں کو بروئے کار لائے تا کہ ملک و قوم اور خوشحالی اور بہتری اسی میں مضمر ہے۔

د۔ دلچسپی کا عنصر

دلچسپی کا عنصر کسی بھی شبہ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ دلچسپی انسان میں اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس کو اس کام کرنے سے فائدہ حاصل ہو۔ فائدہ مند چیز ہر انسان کے اندر جستجو، تجسس، لگن کا مادہ خود بخود بھر دیتی ہے اور انسان پوری دل جمعی سے اس کام کو کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو کوئی تحریر پڑھنے کو ملے یا کوئی کام اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب اس میں دلچسپی شامل ہو گی۔ ترقی یافتہ دنیا کی دوڑ میں انسان کے پاس اتنا طویل وقت نہیں ہے کہ وہ بوجھل، اکتاہٹ کا شکار ہو کر سستی اور کاہلی میں پڑا رہے بلکہ وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے میں مصروف ہے۔ انسان نت نئی ایجادات کرنے میں مصروف ہے۔ چاند پر قدم رکھ لیا ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈال لی ہیں کیونکہ اس میں اُس کو جستجو، لگن، شوق کا

پہلو نمایاں تھا۔ انسان ہر وقت ایک نئی راہ کو تلاش کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ حالات وواقعات روز بروز بدلتے جارہے ہیں اور انسان بھی اپنے اندر اسی طرح ہر روز ایک شوق اور ولولے کا متمنی نظر آتا ہے انسان کو بدلتے ہوئے تقاضوں سے روشناس کرانے کے لیے ایک ضروری امر یہ ہے کہ انسان لکھاری کو ہر انداز میں خواہ وہ تحریر کا ہو یا ڈراما، افسانہ ہو یا نظم انسان کے مزاج کے مطابق اور علمی معیار کے توازن کو برقرار رکھتے ہوئے حالات وواقعات سے باخبر رکھا جائے۔

> ”وجاہت مسعود کالموں میں سیکھنے اور جاننے کے لیے بہت کچھ ہے ان کی نثر انتہائی خوبصورت اور منفرد ہے لیکن یہ کبھی کبھی مشکل پسندی بھی اختیار کرتے ہیں اور آپ روشن خیالی کے علمبردار بھی ہیں۔“[۲۰]

انسان کوئی بھی کام اس وقت ہی دلچسپی اور دل جوئی کے ساتھ کر سکتا ہے جب اسے اطمینان ہو کہ کام اس کے لیے باعثِ فخر اور باعثِ مسرت بن سکتا ہے۔ عام انسان خاص کر کے گاؤں اور دیہات میں رہنے والے افراد اس بات میں اپنی خوشی اور مسرت محسوس کرتے ہیں کہ جب وہ مل بیٹھ کر ایک مجلس کی شکل میں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے رہے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ دُکھ سُکھ کی بات کر رہے ہوں اور زیادہ تر گاؤں اور دیہات میں پنچائیت لگانے کا رواج ماضی سے اب تک چلا آرہا ہے وہ تمام گاؤں کے لیے ایک دلچسپی کا عنصر رکھتا ہے جس میں گاؤں کے بڑے بزرگ اور جوان اپنے مسئلے مسائل کا حل پوچھتے کسی کو کوئی بات سمجھانا مقصود ہو لیکن وجاہت مسعود اپنے کالم ”خوشی اور اتنی فروانی سے؟“ میں بیان کرتے ہیں کہ خوشیاں تو بالکل چھوٹے چھوٹے ذروں کی طرح ہوتی ہیں جس کو کسی بھی شکل میں اکھٹا کر کے ایک بڑی خوشی کی شکل دی جاسکتی ہے۔ مثلاََ بات کسی مسئلے کے حل کی ہو یا کسی کی دعوت کی ہو۔ مجلس کی صورت ایک خوش آئند بات ہے اس میں تمام افراد اپنی وسعت قلبی علم وہنر، تجربے، مشاہدے کی بنیاد پر ایک دوسرے کو اچھا مشورہ دیتے ہیں اور اس میں سب سے اہم موضوع جو سب کا دلچسپ ہوتا ہے وہ سیاست پر بات ہوتی ہے۔ اس میں حکومت بننے، بگڑنے اس کی کامیابی اور ناکامی پر تجزیہ ایک خاص اور دلچسپ موضوع ہوتا ہے اور اس پر

افسوس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ ملک میں رہنے والے افراد مغرب کے شناور اور مغرب کی اندھی تقلید کرنے میں بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں۔ نوجوان مغرب کی چکا چوند کو دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کالم "خوشی اور اتنی فروانی سے؟" میں بیان کرتے ہیں۔

> "ہمارے ملک میں اصحاب علم ہاتھ کی انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ یہ خوش نصیب مشرق و مغرب کے شناور ہیں۔ انہوں نے علم و ہنر کے ان سرچشموں سے پیاس بجھائی ہیں جنہیں دور سے دیکھنا بھی ہمارا مقدر نہیں تھا۔ کچھ عشق تھا، کچھ مجبوری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میری نسل بے آب وگیاہ ٹھہری۔"(۲۱)

دلچسپی کا عنصر ہمیشہ سے ہی ترقی و خوشحالی میں مضمر رہا ہے۔ کوئی بھی ملک ہو مذہب، تہذیب و تمدن، ثقافت ہمیشہ ہی علیحدہ اور الگ رہی ہے۔ علیحدہ وطن کے مطالبے میں بھی دلچسپی کا عنصر پنہاں تھا کہ ایک الگ آزاد ریاست کا قیام بے حد ضروری ہے جہاں عوام غلامی کی زنجیروں سے نکل کر آزادی کی صاف و شفاف ہوا میں سانس لے سکے، جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزار سکے اس لیے "نظریہ پاکستان" کے الفاظ میں دلچسپی کے ساتھ نئی اور روشن راہوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ دلچسپی کا عنصر کسی بھی چیز کی اہمیت اور وقعت کو بڑھا دیتی ہیں اور یہ عنصر صحافت میں نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ کالم نویسی ایک ایسا دلچسپ پیشہ ہے جس میں چھوٹے چھوٹے پیراگراف میں خوش اسلوبی سے مضمون باندھا جاتا ہے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم "امریکی نخرے میں گرم مسالہ" میں بیان کرتے ہیں کہ

> "قوموں کا عروج وزوال ایک سائنس ہے۔ جس کا باریک بینی سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے توپوں میں کیڑے کی بد دعا ایک منفعل اور شکست خوردہ ذہن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"(۲۲)

صحافت میں کالم نویسی مستقل عنوان کی حیثیت سے اپنے اندر بے شمار خوبیاں سموئے ہوئے ہے۔ کالم نویسی میں لکھاری قاری کو ذہن میں رکھ کر اس کی نفسیاتی مدراج کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح کا عنوان پیش

کرتا ہے جس کو پڑھ کر قاری کا ذہن خود بخود حالات و واقعات اور حادثات کی طرف مڑ جاتا ہے۔ قاری دلچسپ عنوان کو پڑھ کر اس قدر اس میں کھو جاتا ہے کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ کالم کو شروع سے آخر تک اس کو پڑھے۔ قاری مشاہدے علم و ہنر اور تجربے کی بنیاد پر اس بات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے کہ کالم میں سائنسی، معاشی، اقتصادی کس پہلو پر بات کی گئی ہے۔ کالم نویسی میں ادیب / شاعر / فنکار معاشرے اور ماحول کے اثر کو سمیٹ کر ایک عنوان کی صورت میں افراد کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بھی بدلتے ہوئی ماحول اور تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھال سکے۔ کسی بھی تحریر کو پُر اثر، دلکش، جاندار بنانے کے لیے اس میں منظر نگاری کا پہلو بھی ضرور ہوتا ہے تاکہ قاری کو پڑھنے میں بوریت اور اکتاہٹ محسوس نہ ہو۔ وجاہت مسعود اپنے کالم "نیا سال کئی سال سے نہیں آیا" میں ایک مجموعے "کمان کو ڈھیلا کرنا" کے نثر پارے کا اقتباس بیان کرتے ہیں کہ

> "جنگ کا منظر ہے۔ سردی سخت ہے۔ مورچے میں کیچڑ ہے۔ دوسری سمت سے گولیاں مینہ کی طرح آرہی ہیں۔ بندوقوں کی تڑتڑ ذرا تھمتی ہے تو برطانوی مورچے سے لوہے کے خول اوڑھے دو سپاہی آہستہ آہستہ سر اُٹھاتے نظر آتے ہیں۔ بندوقوں کی نالیوں سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور ایک فوجی دوسرے سے کہتا ہے 'تو یار میں کہہ رہا تھا کہ جان کو میری سے شادی کر لینی چاہیے تھی۔'"(۲۳)

اس مضمون میں ایک جنگ کا عنوان پیش کر کے جنگ کے منظر کو ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے جس سے قاری کی جُستجو میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ تحریر کو آخر تک پڑھے کہ اس کہانی کا انجام کیا ہے اس طرح ایک ادیب ان عناصر کو مد نظر رکھتے ہوئے دلچسپی سے بھرپور عنوان کو قاری کے سامنے لاتا ہے کہ جس سے اس کے دل میں احساس جگائے کہ تحریر دوسری تحریروں کی دلکش اور الگ ہے اور قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ تحریر ہر لحاظ سے منفرد ہے۔ داستان، ناول، افسانہ ہو یا کسی کالم صحافت کا پہلو کسی نہ کسی طرح اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ صحافت کا میدان ہر ایک پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

صحافت مشن کے طور پر ہے اور ایک کاروبار کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ یہ معاشی / معاشرتی، اقتصادی، سیاسی، سماجی، تمدنی ہر لحاظ سے بات کر سکتا ہے۔ صحافت میں کالم نویسی ایک غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ کالم میں ایک مخصوص پہلو پر بات کی جاتی ہے جس سے قاری کو پہلو سمجھ آسکے اور اس پر مکمل عبور حاصل کر کے وہ اپنے مسئلے کا مناسب حل بھی تلاش کر سکے۔ وجاہت مسعود "گوتم بدھ، کچھوا اور ڈاکٹر دھاکہ" میں انسان کے نفسیاتی پہلو کو بڑی بہادری اور دلیری سے بیان کرتے ہیں۔ اس عنوان کو پڑھ کر قاری کو از خود محسوس ہو جائے گا کہ انسانی روپ کے مختلف پہلو ہیں۔ جس طرح یہ الفاظ الگ الگ معنی اور مطالب رکھتے ہیں ۔ انسان بھی نفسیاتی اعتبار سے بہت کشمکش، تجسس میں رہتا ہے کبھی اس کے اندر جیت کی آزادی کی لگن موجود ہوتی ہے کبھی ہار کی ناکامی کا ڈر اور خوف، کبھی وہ غرور و تکبر میں اکھڑ تا ہے تو کبھی احساسِ کمتری کا احساس اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتا یہ تمام حقیقتیں انسان کو مختلف مراحل میں پیش ضرور آتی ہیں۔ لیکن جو انسان بہادری اور حوصلہ مندی سے کھٹن حالات کا مقابلہ کر لیتا ہے اس کے مقدر میں جیت کی خوشی ضرور لکھی ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کی ایک نامور شخصیت ڈاکٹر عبد القدیر خان جنہوں نے ایٹمی طاقت والے ملکوں کی پاور سے ڈر کر خود کو ایک طرف بند نہیں کر دیا بلکہ پاکستان کو ایک ایٹمی طاقت بنا کر دم لیا اور آج ان کا نام پاکستان کی مشہور و معروف شخصیات میں ضرور آتا ہے۔ وجاہت سعود اپنے ایک اور کالم "سیکورٹی سٹیٹ یا عوامی فلاعی ریاست" میں آمریت اور جمہوریت کے درمیان موزانہ کرنا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے ملک میں صرف آمریت کا نظام ہی چلے گا جس سے ملک اور قوم ترقی کر سکتی ہے یا جمہوریت کا نظام بھی آئے گا جس سے عوام کی خوشحالی اور سلامتی ممکن ہے۔ اس میں وجاہت مسعود اس بات کا ذکر بڑے متحمل مزاج میں کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کی سیاسی، اقتصادی، سماجی حالت اور معیشت صرف اس وجہ سے ناکام ہو رہی ہے کہ آمریت کا نظام اس ملک میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔ ہر حکمران جمہوریت کا نعرہ بلند کر کے اس کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا جس سے عوام کی امیدوں پر ہمیشہ سے اوس پڑ رہی ہے اور معیارِ زندگی بھی خراب ہے۔ وجاہت مسعود اپنے کالم میں سکیورٹی اسٹیٹ کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ملک میں جمہوری طرزِ حکومت کے ساتھ ساتھ عسکری ریاست بھی / فوج بھی ملک و قوم کی خوشحالی میں دن

دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گی لیکن افسوس سیکورٹی سٹیٹ اور عوامی ریاست عوام کی امیدوں پر پورا اترنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ ہر حکومت بنتی جمہوری طرز پر ہے لیکن وہ ان تمام نظریات کو پسِ پشت رکھ کر اپنے مفادات کو پورا کرنے میں لگ جاتی ہے اور ایسا نظام تشکیل دیا جاتا ہے جس سے عام آدمی کی زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی ہے اس کی عزت محفوظ نہیں رہتی تمام ضابطے، قانون اس کے لیے کوئی تحفظ پیدا نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر

> "قومی سلامتی اور وسیع تر نظریاتی مفادات کی مالا جپنے والی ریاست اپنے عوام کا علمی، تخلیقی اور پیداواری امکان بلند کرنے کے بجائے مختلف جغرافیائی، نسلی اور مذہبی تنازعات کے ذریعے ایسے قومی مفادات کو فروغ دینے کا بیڑہ اٹھاتی ہے جنہیں نہ عوام سمجھ سکتی ہے اور نہ ایسے تنازعات سے عوام کا مفاد منسلک ہوتا ہے۔" (۲۴)

آزاد ریاستوں میں آمریت کا نظام اپنے ساتھ بے شمار خرابیاں لے کر آتا ہے جس سے ملک کو بہت نقصان سہنا پڑتا ہے۔ اس سے علمی پسماندگی، معاشی / معیشیت کی راہ میں ترقی نہ ہونا اس میں رکاوٹ، انسان اپنے اندر احساسِ کمتری کا شکار ہونا شروع ہو جاتا ہے یہ عام خرابیاں ہر ملک کے لیے نقصان کا باعث بنتی ہے۔ امیر اپنا اثرورسوخ استعمال کر کے غریب کے حق کا استحصال کرنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے۔ اور آمریت ہر فضا میں موجود ہے۔ "نمبر دار کا نیلا" یہ کالم ایسا ہے جس میں وجاہت مسعود نے ایک بچھڑے کو بنیاد بنا کر پیش کیا ہے کہ کسی بھی ملک کی ترقی اور خوشحالی وہاں کی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جس طرح نمبر دار صاحب نے ایک نیلا جو کہ نیلی گائے کا بچہ ہے اس کو اپنے گھر میں پال رکھا ہے اور اس سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اس کو بے مہار گھومنے کے لیے چھوڑ دیا ہے جس سے وہ کسی کی دکان پر پھل خراب کر آتا ہے تو کسی دھوبن کی بھٹہ کھڑی کر دیتا ہے مگر ان تمام حالات کو دیکھنے کے باوجود نمبر دار صاحب اس کو قابو میں نہیں رکھنا چاہتے۔ اسی بات کو وجاہت مسعود صاحب نے بنیاد بنا کر ملک و قوم کے لیے پیش کیا ہے کہ اگر حکومت اپنی دلچسپیوں اور مفادات کو ہمیشہ آڑے ہاتھوں رکھے گی تو ملک کے بیچارے بے روزگار اور غربت زدہ عوام کا بھیڑا کون اٹھائے

گا؟ قوم کی بیٹی بیرون ملک شکنجے میں ہے تو اس کو وہاں سے رہائی اور آزادی کون دلائے گا؟ یہ ایسے واقعات ہیں جن کو صرف ایک جمہوری حکمران ہی حل کر سکتا ہے اگر ملک و قوم کو جان بوجھ کر دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے تو اس کا بھی وہی حال ہو سکتا ہے جو "نمبر دار صاحب کا نیلا" میں ایک گائے کے بچے نے پورے گھر اور معاشرے کا بنا رکھا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس سے سبق سیکھیں لکھاری ملک و معاشرے کی ترقی اور عوام کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ وہ یہ اپنے، علم، تجربے، مشاہدے اور تصورات کی بدولت اپنا اور دوسروں کا بھلا سوچتے ہیں۔ وجاہت مسعود کے کالم "پیارے بروٹس" خرابی ہمارے ستاروں میں نہیں" یہ کالم ایسا کالم ہے جو ہمارے ملک کے ستاروں میں علم و ہنر، صلاحیتوں اور جذبوں کو ابھارنے میں مدد دیتا ہے۔ کیونکہ نوجوان نسل ایک دلچسپ عنوان کو دیکھ کر کے اس چیز کی طرف بھاگتی ہے اس کالم میں وجاہت مسعود نے مغربی ممالک کی شفافیت کو اپنانے کی تلقین کی ہے کیونکہ وہاں پر عوام کی بھلائی اور بہتری کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ہمارا ادب بے شمار معلومات لیے ہوئے ہے لیکن ہمارا ملک اس لیے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہے کیونکہ کسی بھی ملک اور معاشرے کو ترقی کی راہ گامزن کرنے کے لیے وہاں کی حکومت اور عوام میں تعلقات استوار کرنا بے حد ضروری ہے۔ مثال کے طور پر

> "ہمیں اپنی ادبی روایت پر بہت مزہ ہے ادب کا ایک نوبل انعام ہمارے حصے میں نہیں آیا۔ ہم دنیا کی امامت کرنا چاہتے ہیں لیکن ہماری منتخب حکومتوں کو اپنی معیاد پوری کرنے کے لالے پڑے رہتے ہیں۔"(۲۵)

ر۔ اختصار پسندی

اس سے مراد تکرار اور ابہام والے الفاظ سے اجتناب کرنا، اختصار پسندی سے کسی بھی عبارت میں جاذبیت پیدا کرنا اور اس کو مرعوب کن بنانا مقصد ہوتا ہے کالم نویسی میں اختصار پسندی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس میں ادیب فنکار اپنے موضوعات کو معاشرے اور ماحول میں وقوع پذیر واقعات سے اٹھا کر پیش کرتے ہیں اور قاری تک معلومات بہم پہنچاتے ہیں اس میں الفاظ کو وہم میں ڈال کر یا ابہام کی صورت میں پیش نہیں

کرتے بلکہ حقائق اور سچائی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے رجحانات اور مقاصد کو پورے کرتے ہیں سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید ترین دور میں انسان نے جہاں ترقی کی منازل طے کی ہیں وہی پر انسان کے پاس وقت کی اتنی قلت ہے کہ انسان اب بھاری بھر کم اور طویل الفاظ کو پڑھنے کے بجائے اختصار پسندی کو ترجیح دیتا ہے انسان اپنے مقاصد اور منزل کی طرف گامزن ہے اور مفاد کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی آسان اور سادہ راستہ تلاش کرتا ہے چنانچہ ادیب و فنکار نے کالم نویسی کے ذریعے اس مسئلے کو بھی حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان نے ملک و معاشرے سے جڑا رہنے کے لیے اس کا سہارا لیا ہوا ہے کالم چونکہ ایک نشست میں پڑھنے والی تحریر ہوتی ہے اس میں کالم نویس الفاظ کو حالات و واقعات کا جامعہ بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ قاری کے ذہن پر یہ تحریر اپنا نقش چھوڑے اور عام انسان بھی سوچنے سمجھنے اور فکر کرنے کی قوت کو اپنا مشعل راہ بنائے رکھے۔ کالم نویسی میں لکھنے والا کئی طرح کے رنگ باندھ سکتا ہے اس میں وہ ماحول اور حالات کے متقاضی ردو بدل بھی کر سکتا ہے مثلاً جہاں ادیب رمز و کنایہ "استعارہ" الفاظ و تراکیب سے اپنا مواد جاندار بناتا ہے وہیں وہ اپنی تحریروں میں طنز و فزاخ، بے تکلفی، سادگی و پرکاری، افسانوی رنگ اور کبھی کبھی محاورے اور ضرب المثل سے بھی کالم لیتا ہے کہ قاری کو بات مکمل طور پر ذہن نشین ہو۔

> "وجاہت مسعود کے کالموں کی ایک خوبی حسنِ تحریر ہے خوبصورت تخلیقی جملے، ادبی، چاشنی، اردو، فارسی اور پنجابی مصرعوں کا بر محل اور برجستہ استعمال ان کے کالموں کو حسن بخش دیتا ہے۔ جس سے ادب اور فن کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور پڑھنے والا بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"[۲۶]

کالم میں لکھنے والے کے اپنے خیالات و تصورات کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے کہ وہ کس طرح سے اپنا مواد دوسروں تک پہنچاتا ہے اس کو اس مراحل کو طے کرنے میں کتنی مشکلات پیش آئیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی اس خطے میں موجود باشندوں اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے رعایا جیسی ہوتی ہے ویسے ہی حکمران کا انتخاب بھی کرتی ہے اگر بدعنوانی اور کرپشن کی بات کی جائے تو ماضی میں وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک

ایسا قانون بنایا تھا جس کا نام "بروڈا" تھا اس کے تحت ملک میں بدعنوان سیاست دان کو سیاست سے بے دخل کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا تو وجاہت مسعود نے بھی اپنے مکالمے "پیارے بروٹس، خرابی ہمارے ستاروں میں نہیں" اس میں کہتے ہیں کہ دیانت داری، خلوص نیت، شفافیت کا دور شروع سے موجود ہے لیکن موجودہ نسل نے اپنے ماضی کی روشن حقیقتوں سے منہ موڑ کر ملک میں بادشاہت کرنے کے بجائے سستی، کاہلی اور آرام طلبی کو اپنا پیشہ بنایا اور اخلاق حسنہ چینی عظیم روایات کو بھول کر خود کو دنیا کی رنگینی میں مگن کر لیا ہے اور اپنے عربوں کی روایات کو پس پشت ڈال دیا ہے ہمارے ملک میں وسائل ہونے کے باوجود نئی نسل مغربی چکا چوند میں بھاگی اور مغرب کو فوقیت دیتی ہے وجاہت مسعود بھی اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک مسلمہ استحقاق ہے ہمیں اسلامی دنیا سے رشتوں پر ناز ہے لیکن اسلامی دنیا والے ہمارا بنایا ہوا کپڑا نہیں خریدتے۔ جب ہمارے محنت کش اپنے جسم و جاں کا تیل بیچنے ان کے دیسوں میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور انہیں شہریت ملنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا جب کہ مغربی ممالک میں ایک خاص ضابطہ کار سے گزرنے کے بعد انہیں شہریت مل جاتی ہے۔"(۲۷)

وجاہت مسعود نے کس طرح اختصار پسندی اور سادہ الفاظ میں اپنے ملک و قوم کے سرمایہ کو ایک خاص حیثیت کا حامل قرار دیا ہے کہ ہماری عوام کسی بھی طرح علم و ہنر میں کسی سے کم نہیں ایک ادیب افنکار ملک و معاشرے کا خیر خواہ ہونے کی نسبت سے معاشرے میں پھیلی ہوئی تلخ حقیقتوں سے عوام کو آگاہ کرتا ہے اس کا مقصد صرف اور صرف معاشرے کی بھلائی اور بہتری ہوتی ہے کوئی بھی معاشرہ قانون کی بالادستی سے انحراف نہیں کر سکتا کوئی بھی معاشرہ اور ملک اس کے اصولوں کو اپنائے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ وجاہت مسعود بھی کالموں میں احتساب کو ہی ملک کی بقاء اور خوشحالی کا ضامن قرار دیتے ہیں۔ نصب العین اور اجتماعی ضابطوں کو اپنا کر ہی ہم دنیا میں دوسروں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ وجاہت مسعود اعلیٰ تعلیم میں ہی معاشرے کی ترویج و ترقی کو دیکھتے ہیں۔ علم و شعور اور آگہی فرد کو اس کی دلچسپیوں اور اس کے رجحانات سے واقفیت دلاتی ہے وہ اپنے مشاہدے اور تجربے سے زندگی کی حقیقتوں کو سمجھتے اور اپنے علم و ہنر کو پہچان کر اپنی عملی کو زندگی کو بہتر سے بہتر بناتے ہیں فرد کی ذہنی تربیت اس کی نشوونما سے مقصود ہوتی ہے ایک بچہ پہلے پہل اپنی اولین

درسگاہ ماں کی گود کو جانتا ہے پھر مدرسہ، سکول میں داخل ہو کر ماحول اور معاشرے سے دوستی کا رشتہ استوار کرتا ہے اور اپنی بنیادوں پر اس کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے کوینکہ معاشرہ میں وہ تنقید کے اصولوں سے بھی نبرد آزما ہوتا ہے اسے دوسروں کی نگاہ میں بے شمار سوالات نظر آتے ہیں جن سے وہ خود کو محفوظ / مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے جیسے وجاہت مسعود اپنے مکالمے "شب منتقم! یہ چراغ کیسا بجھا دیا" میں بیان کرتے ہیں کہ

> "خواندگی کی مہارتیں اور ذخیرہ علوم اپنی جگہ، لیکن تنقیدی شعور کے بغیر کوئی معاشرہ نئے علمی آفاق دریافت نہیں کر سکتا نور علم کی دنیا میں نئی سرحدیں قائم کیے بغیر محض جسمانی محنت سے علمی کشود کا سفر مکمل نہیں ہوتا"(۲۸)

صحافت کے پیشے میں کالم نویس کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے صحافت کا میدان اپنے اندر ہر طرح کی خوبی لیے ہوتا ہے اس میں خبر، حالات و واقعات، رجحانات، ملک میں پیش آنے والے مسائل و حل، معاشرے میں تبدیلی، سیاست کے میدان میں ردوبدل سب کچھ صحافت کے زمرے میں آتا ہے یہ پیشہ ایک ایسا پیشہ ہے جس میں صحافی ذاتی پسند اور ناپسند، رائے اور مرضی کو نہیں لا سکتا وہ صرف اور صرف حالات واقعات اور خبر کو سچ سچ اور جوں کا توں ہی بیان کرنے کا پابند ہوتا ہے صحافی اپنی ذمہ داری سے پوری طرح نبرد آزما ہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے اس کو اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے عام، سادہ، آسان الفاظ کا چناؤ کرنا پڑتا ہے تاکہ خواندہ افراد کے ساتھ ساتھ ناخواندہ افراد کو بھی بات اور معلومات سمجھ آ سکے۔ صحافت میں صحافی کتنی چابکدستی سے الفاظ کا ذخیرہ اٹھا کر کے ماحول اور معاشرے کو حالات واقعات سے مستفید کرتا ہے وجاہت مسعود بھی علم و ادب کا موقع گردانتے ہیں وہ اپنے کالم "وہ غنی سے ڈرتے ہیں" میں بیان کرتے ہیں کہ

> "صحافی جب پیشہ وارانہ اصولوں کی پاسداری میں سینہ سپر ہوتا ہے تو اپنے جوتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اچھے صحافی کو ذاتی رسوخ اور نمود نہیں، صحافت کے پیشے کی بالا دستی کی فکر ہوتی ہے صحافت ایک تمدنی خدمت ہے صحافت کی طاقت دھونس میں نہیں، درست خبر اور مضبوط دلیل ہے۔"(۲۹)

معاشرے میں پھیلنے والی بیماریوں کو وجاہت مسعود نے جس طرح بیان کیا ہے یہ ان کی اختصار پسندی کا ثبوت ہے اس میں آب پاشی کا نظام، پینے کے صاف پانی کا فقدان اور شہریوں کو زہر آلود پانی پینے کی مجبوری کو بیان کیا گیا ہے جس سے پیٹ کے امراض پھیلتے ہیں ان کو بیان کر کے وجاہت مسعود نے سیاسی نظام کو ہتک آمیزی کا نشانہ بنایا ہے کہ وہ کس طرح ماحول اور معاشرے کے نظام سے بے خبر خود کو صرف اور صرف اپنے مفاد کے لیے رکھا ہوا ہے اور اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے عوام کو بے وقوف بناتی ہے اس کے ذریعے انہوں نے حکومت کی نا اہلی کو ظاہر کیا ہے اور انتظامیہ کی نا اہلی اور سہولیات کے فقدان کو ظاہر کیا ہے امیر کے لیے قانون الگ غریب کے لیے قانون الگ ہوتا ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی آبادی کو بھی وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں اختصار پسندی کے ساتھ بیان کیا کہ کس طرح معاشرے و ماحول کی ترقی پر ان کی پیدائش ایک کاری ضرب لگاتی ہے کہ پاکستان میں ہر سیکنڈ میں بچوں کی پیدائش ہوتی رہتی ہے جس سے صحت، تعلیم، روزگار کے وسائل ملک و معاشرے میں مسائل کا سبب بنتے ہیں اور اس سے ترقی و ترویج کا عمل رک جاتا ہے۔ زندگی نام ہی تبدیلی کا ہے مسلسل چلتے رہنے کا نام زندگی ہے زندگی میں تبدیلی اور انقلاب کا وقوع پذیر ہونا معاشرے کی جانداری کا ثبوت دیتا ہے ادیب، شعراء، فنکار، نقاد کسی بھی معاشرے کی جان ہوتے ہیں اور معاشرے کو مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ فتح اور شکست اور جیت، جنگ کی حالت، غرض یہ کہ ہر معرکہ جو دنیا میں وقوع پذیر ہوتا ہے زندگی کا احساس دلاتا ہے کیونکہ دنیا میں بدلتے ہوئے رجحانات اور حالات و واقعات کے پیش نظر ہر وقت ایک نئے نظام کی ضرورت وقت کا تقاضا ہے کیونکہ ماضی میں استعمال ہونے والی اشیاء کبھی بھی حال اور مستقبل میں وہی ضروریات اور تقاضے پوری نہیں کر سکتی۔ مثال کے طور پر ماضی میں کمپیوٹر کی اقسام دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سائز کتنا بڑا ہے اور کام وقت اور حالات کے پیش نظر کرتا ہے جبکہ ترقی یافتہ اور جدید دور میں اس کمپیوٹر کی جگہ لیپ ٹاپ نے لی جو کہ باآسانی ایک سے دوسری جگہ بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ وجاہت مسعود بھی اپنی تحریروں میں ایک عہد کے رجحانات و واقعات کو دوسرے عہد کے سماجی، معاشی اور سیاسی تقاضوں میں ڈھالنے کے پابند نہیں ہیں بلکہ یہی مشورہ

دیتے ہیں کہ زندگی میں تغیر اور تبدیلی لازمی امر ہے اس کے لیے وہ اپنے کالم " انقلاب کی باتیں " میں نہایت ہی دلچسپ انداز میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں کہ

> ”جب قدیم! اجتماعی بندوبست اور نظام انسانی سماج میں سامنے آنے والے نئے ذرائع پیداوار اور ان کے نتیجے میں بننے والے پیداواری رشتوں کو جذب کرنے میں ناکام ہو جائے تو ایک ایسی بنیادی تبدیلی جو پرانے سیاسی، معاشی اور معاشرتی ڈھانچوں کو یک قلم مسترد کر کے انسانی تاریخ میں نئے دور کا آغاز کرے، سیاسی اصطلاح میں انقلاب کہتے ہیں۔“(۳۰)

وجاہت مسعود اختصار پسندی کا سہارا لیتے ہوئے تمام انسانوں کو بدلتے ہوئے رجحانات اور تقاضوں میں ڈھلنے کی تلقین کرتے ہیں اگر زندگی میں انقلاب تغیر اور تبدیلی باقی نہ رہے تو معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا اور وہ قومیں زندگی کی دوڑ میں بھی پیچھے رہ جاتی ہیں۔ تمام انسانوں کی نفسیات ایک دوسرے سے جدا ہے ہمارے ادیب، فنکار اپنی تحریروں میں موضوعات کے الفاظ کا چناؤ اس انداز سے کرتے ہیں کہ تمام لوگوں کے نفسیاتی معیار کے مطابق ہو اور انہیں بات سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ کالم نویسی اس لحاظ سے ایک ایسی تحریر ہے جو کہ موجودہ زمانے میں ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ موجودہ دور میں انسان کی اس قدر تیز رفتاری کو اپنا بازو بنا رکھا ہے کہ اس کے پاس طویل تحریریں پڑھنے اور سمجھنے کا وقت نہیں ہے اور اس دور میں کالم ہی ایک موثر اور جاندار تحریر کے طور پر نظر آتا ہے جس میں ادیب یا فنکار ماحول اور معاشرے کے حالات و واقعات کو موضوع بنا کر چھوٹی سی کہانی میں تمام لوگوں کو حالات و واقعات سے آگاہ کر دیتے ہیں اور انہی الفاظ و تراکیب کا استعمال کرتے ہیں کہ سب کو بات با آسانی سمجھ آسکے۔ پہلے پہل داستان اور ناول نے اردو ادب میں بے شمار اضافہ کیا لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ انسان کے پاس وقت کی قلت کے باعث چھوٹی چھوٹی تحریروں نے جگہ لے لی۔ اس میں کالم نویسی، افسانہ، نظم، طنز و مزاح کی باتیں شامل ہیں تمام انسان نفسیاتی طور پر جداگانہ ہونے کی وجہ ان کے اندر بھی بہت سے خیالات و تصورات جنم لیتے ہیں جیسے امیر روز امیروں سے

امیر تر اور غریب مہنگائی کی چکی میں پستا چلا جاتا ہے اس حوالے سے کسی بھی ملک میں ترقی اور خوشحالی پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے۔ کھاری اپنی تحریروں میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی ہر پہلو سے بات کرتا ہے تاکہ انسان کو اس سے کچھ فائدہ مل سکے کیونکہ ایک ادیب پورے خلوص نیت اور جذبات و احساسات کے ساتھ لکھتا ہے اس کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی کالم نویسی صحافت کی ایک شکل ہے جس میں پوری دلچسپی ،جوش و جذبے کی اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک کا نوجوان اس ملک کا قومی اثاثہ اور سرمایہ ہوتے ہیں ملک کی ترقی کی بھاگ دوڑ ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے دہشت گردی کسی بھی ملک کی ترقی و ترویج کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے تعلیم کے ذریعے ہی نوجوان نسل کی اصلاح اور ان کی ترقی ممکن ہے وجاہت مسعود نے یہاں بڑی مہارت سے دہشت گردی کی لعنت پر ضرب لگائی ہے کہ ملک میں ترقی اور خوشحالی کے لیے عوام کا باشعور ہونا ضروری ہے اس کے ذریعے ہی ملک سے دہشت گردی، غربت جیسی بیماریوں کو روکا جا سکتا ہے اور بدلتے وقت کے ساتھ خود کو بدلنا ایک ضروری تقاضا ہے وجاہت مسعود بھی اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

> "تعلیمی نصاب، ذرائع ابلاغ اور سماجی ڈھانچوں میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر اس انتہا پسندی کو ختم نہیں کیا جا سکتا جو ناگزیر طور پر دہشت گردی کو جنم دیتی ہے۔"(۳۱)

الغرض وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں موجود موضوعات کو تکرار لفظی، ابہام، شک، وہم جیسی خامیوں سے محفوظ کر کے ضابطے سے پاک کلام کو ہمارے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ملک و معاشرے میں موجود خرابیوں کو بھی دوٹوک اور کھری سچی بات میں لپیٹ کر عوام تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبد السلام خورشید، ڈاکٹر، فن صحافت، مکتبہ کارواں، کچہری روڈ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳

۲۔ شفیق جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، اے۔ون پبلیشرز، لاہور ۲۰۰۸ء، ۱۲۳

۳۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۴۔ ندیم رحمن ملک، راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۲۳ نومبر ۲۰۱۹ء

۵۔ جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، اے۔ون پبلیشرز، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۳

۶۔ وجاہت مسعود، قائد کی قبر کس نے کھودی؟، محاصرے کا روزنامچہ (۱)،
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷، ص ۱۹

۷۔ ایضاً، بے وقت کی راگنی، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۲۲

۸۔ ایضاً، ہمارا قومی وقار کیسے تباہ ہوا، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۲۵

۹۔ ایضاً، لکھو کے راہوار تھک گئے ہیں، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۵۱

۱۰۔ ایضاً، سیاسی قیادت کا فقدان، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۳۹

۱۱۔ ایضاً، ہم اُداس کیوں ہیں، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۷۱

۱۲۔ ایضاً، تم ہی کہو کہ اندازِ گفتگو کیا ہے، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۱۸۹

۱۳۔ ایضاً، صحافت حرف خبر سے نوید فردا تک، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۲۰۸

۱۴۔ ایضاً، نعرے اور حقائق کے درمیان، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۵۵

۱۵۔ ایضاً، قومی مفاد کا ناگزیر تقاضا، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۳۳

۱۶۔ رضی الدین رضی راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۱۷۔ اشک دامن میں بھرے 'خواب کمر پر رکھا، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۹۳۔۹۲

۱۸۔ ایضاً، اُٹھو اب ماٹی سے اُٹھو' جاگو میرے لال، محاصرے کا روزنامچہ (۱)، ص ۱۰۵

۱۹۔ ندیم رحمن ملک، راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۲۳ نومبر ۲۰۱۹ء

۲۰۔ رضی الدین رضی راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۲۱۔ ایضاً، خوشی اور اتنی فروانی سے، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۹۶

۲۲۔ ایضاً، امریکی نخرے میں گرم مسالا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۴۹

۲۳۔ ایضاً، نیا سال کئی سال سے نہیں آیا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۷۶

۲۴۔ ایضاً، سیکورٹی اسٹیٹ اور عوامی فلاحی ریاست، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۳۳۔ ۲۳۲

۲۵۔ ایضاً، پیارے بروٹس، خرابی ہمارے ستاروں میں نہیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۳۰۳

۲۶۔ رضی الدین رضی راقمہ کا ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۲۷۔ پیارے بروٹس، خرابی ہمارے ستاروں میں نہیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۳۰۳

۲۸۔ ایضاً، شبِ منقسم! یہ چراغ کیسا بجھا دیا، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۹۱

۲۹۔ ایضاً، اک غبی سے ڈرتے ہیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۸۳۔ ۲۸۲

۳۰۔ ایضاً، انقلاب کی باتیں، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۲۴۶

۳۱۔ ایضاً، مردہ آدمی کے دانت کی تلاش، محاصرے کا روزنامچہ (ا)، ص ۱۷۴

باب چہارم

وجاہت مسعود کے کالموں کا اسلوبیاتی تجزیہ

الف۔ اسلوب کیا ہے؟

اسلوب ادب کی جان ہوتا ہے کسی بھی اسلوب کو پہچاننے کیلئے ادب کی پہچان اور تخلیق کی پہچان سے واقفیت ضروری چیز ہے اس لیے اسلوب کو ایک دستخط کے طور پر جانا جاتا ہے کیونکہ کسی بھی چیز کا اسلوب ہی اس تحریر کو دوسروں سے منفرد اور الگ کراتا ہے ادب کسی طور بھی اسلوب کے احساس سے عاری نہیں ہوتا۔ ہر شاعر اور ادب کی تحریر اسلوب کی بناء پر پہچانی جاتی ہے کسی بھی تحریر میں دلکشی، خوبصورتی، جامعیت کا عنصر اسلوب کے سبب ہی پیدا ہوتا ہے کوئی بھی تحریر اپنی خصوصیات کی بناء پر ہی زندہ رہ سکتی تھی اور وہ خصوصیات اسلوب سے منسلک ہوتی ہیں۔ اسلوب کئی طرح کا ہو سکتا ہے اسلوب میں ضائع و بدیع شعریات، نثر ہر چیز شامل ہے اسلوب میں مباحث بھی ایک طرح کی دلکشی اور انفرادیت کا عنصر پیدا کرتے ہیں زبان و بیان اور ادب و شاعری کے لحاظ سے بہت سی مثالیں بھی اسلوب کے حوالے سے ملتی ہیں۔ مباحث کسی بھی اسلوب میں تاثر پیدا کرنے اور موضوع میں جان پیدا کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ مطلب شعراء اور ادیب سب جو کچھ بھی لکھتے ہیں اسلوب کی بدولت ہی انفرادیت کا درجہ پاتے ہیں اسلوب کو ذاتی اور انفرادی حیثیت حاصل ہوتی ہے ہر لکھنے والا اسلوب کی بناء پر ہی پہچانا جاتا ہے دراصل اسلوب ایک طرح کی زبان ہوتی ہے جو اظہار کا وسیلہ بنتی ہے۔

”وجاہت مسعود صاحب کا اسلوب مشکل پسند اسلوب میں شامل ہے۔“(۱) اسلوب میں تہذیب و تمدن، ثقافت، کلچر، تاریخ کا ہمیشہ دخل رہتا ہے اسلوب میں موضوع کے ساتھ ساتھ ہیت اور تکنیک کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ بنیادی فرق متن میں تجرباتی حربے کا ہوتا ہے اسلوب سائنس کی ایک شاخ ہے سائنسی سطح پر اسلوب کا مطالعہ فن پاروں کے تجزیے کے طور پر ہوتا ہے مطالعہ بھی کئی طرح کا ہوتا ہے یعنی عمومی مطالعہ اور خصوصی مطالعہ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمومی مطالعہ اور خصوصی مطالعہ میں کیا فرق ہے؟ عمومی

مطالعہ اس سے مراد لکھنے والے کا اسلوب اس کی زبان اور اس کے لب ولہجہ کا اثر اس میں شامل ہوتا ہے جبکہ خصوصی مطالعہ میں اسلوب کی خاص خصوصیت شامل ہوتی ہے اور اسے اسلوبیات کا نام دیا جاتا ہے اس میں توضیحی لسانیات کا عمل دخل ہوتا ہے لیکن اسلوب ہو یا اسلوبیات دونوں مطالعوں میں انفرادیت اور جداگانہ مفہوم نہایت ضروری ہوتا ہے ہر تحریر کے جداگانہ اور منفرد ہونے کا انحصار ادیب کے انتخاب پر ہوتا ہے کہ وہ چیزوں کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور کس طرح کی زبان کو وسیلہ اظہار بناتا ہے اسلوب ایک پیمانہ ہے جو تحریر میں موجود خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ اسلوبیات میں تحریر کو موجود زبان کی کارکردگی پر پرکھا جاتا ہے یعنی کس طرح ایک زبان مختلف راہوں سے تشکیل پاکر عام آدمی کے ذہن اور نفسیات کو متاثر کرتی ہے ادب کی جانچ پرکھ اور اس کی وسعت کو جاننے کیلئے اسلوبیات کو خاصی اہمیت حاصل ہے کسی بھی ادیب / مصنف کو لکھنے میں اپنے ماحول کی زبان کا پابند رہنا پڑتا ہے کیونکہ وہ اپنے ماحول اور معاشرے کی زبان اور اسٹائل کو اپنا کر ہی کسی بھی تحریر کو جاندار اور پر کشش بنا سکتا ہے فرد کی ذات اور شخصیت اسلوب پر بہت اثر ڈالتی ہے اسی لیے لکھنے والے کا اثر اس کی تحریروں میں جا بجا ملتا ہے۔ اگر ہم میر تقی میر جیسے شاعر کی بات کریں تو ان کی نظموں میں اداسی اور مایوسی کا عنصر موجود ہے کیونکہ ان کی شخصیت پر برصغیر کی گہری چھاپ ہے ان کا دور یاس اور نا امیدی اور غم میں گزرا اس کیلئے ان کی تحریروں میں ایسی صورتیں ملتی ہیں۔

اسلوب کے بنیادی تصورات مختلف ادیبوں کے نزدیک حسن محمد عسکری کے نزدیک انسان کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے اور غورو فکر کرنے کی بناء پر ہی اشرف المخلوقات بنایا ہے کیونکہ انسان اپنی جستجو، لگن، دلچسپی اور محنت سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح انسان کا سٹائل خواہ وہ لکھنے کی صورت میں ہو یا زندگی کا سٹائل ہو وہ معاشرتی تقاضوں کے مطابق خود کو بدلنے کی اہلیت رکھتا ہے ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا اور اس کو برصغیر سے کئی سالوں کی جدو جہد اور کوشش کے بعد آزادی نصیب ہوئی بیشک یہ خارجی واقعات ہیں لیکن لوگوں نے خود کو آنے والے وقت

اوراس کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا تاکہ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں خود کو بدلنے کا انحصار انسان کے اعصاب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ سوچ اور فکر انسان کے اندر تڑپ پیدا کرتی ہے۔

بقول حسن محمد عسکری:

> ”ہماری اردو زبان ادب اور اسکے اسالیب ایسے زمانے کی پیداوار ہیں جب ہندوستان میں مسلمانوں کا خارجی اقتدار ختم ہو رہا تھا مگر قوم نے ایک نیا اسلوب بیان ایجاد کر کے اپنے کردار اپنے وجود کو از سر نو ترتیب دیا اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا۔“ (۲)

خارجی اورداخلی عناصر یہ سب چیزیں انسان کے اظہار کے وسیلے کو بدلنے کا ایک لازمی امر ہے اگر اسلوب میں دلچسپی اورانفرادیت کے وسیلے کو بدلنے کا ایک لازمی امر ہے اگر اسلوب میں دلچسپی اور انفرادیت ختم ہوجائے تو وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے دلچسپ موضوعات،انوکھااور منفرد اسلوب ہی قاری کو تحریر پڑھنے پر مجبور کرتا ہے ہر ادیب / مصنف اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ہی اپنے اسلوب کی ہیت اورڈھانچہ تعمیر کرتے ہیں ان کی وسعت نظری اوروسعت قلبی ہی ان کی تحریروں میں چاشنی بھرتی ہے اور کسی بھی تحریر کو دلچسپ بنانے کیلئے ادیب کو موضوع میں دلچسپی اور شوق کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے تا کہ قاری کے دل ودماغ پر ان کے موضوعات کی گہری چھاپ نظر آئے۔اسٹائل یااسلوب کو بیشک ہم زبان یاطرزیا اظہار کے وسیلہ سے منسوب کرتے ہیں لیکن بعض مقامات پر انگریزی کا لفظ سٹائل ہی موزوں ترین نظر آتا ہے مثلاً ایک کرکٹ کا کھلاڑی ہو اگر وہ اچھی کارکردگی میدان میں دکھاتا ہے تو وہ ہاتھ کا اشارہ کر کے داد و تحسین حاصل کرتا ہے تو وہ اس کا اسٹائل ہے ہم وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایک اظہار یا طرز ہے اسلوب کیلئے اسٹائل کا لفظ بھی موزوں ہے ۔ اسٹائل کیلئے مختلف صورتیں موجود ہوتی ہیں اب ایک آدمی اپنی شکل و صورت اپنی خصوصیات اور اس کے علاوہ اپنی شخصیت سے دوسرے سے الگ اور منفرد ہے تو وہ اس کا اپنا اسٹائل ہے اسی طرح ایک ادیب /شاعر / مصنف اپنے خیالات و تصورات کی بدولت نہیں بلکہ

سوچنے سمجھنے 'فکر' اور لب و لہجہ کی بدولت الگ اور جداگانہ ہیں ایک ادیب اپنے الفاظ کا تانا بانا کیسے جوڑتا ہے وہ بہتر جانتا ہے۔ ہر فنکار اپنے خیالات و تصورات اور فن و فکر میں تبدیلی حالات و واقعات اوراس کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرتارہتا ہے کیونکہ اگر وہ ایک ہی جگہ رک جائے تو اس کے ادبی فن پاروں میں دلکشی اور خوبصورتی کا عنصر زائل ہو جائے گا انھی تقاضوں کے تحت ہی اس کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ انسانیت کا احترام بھی باقی رہتا ہے۔

بقول ممتاز حسین اسلوب بیان کا تعلق ذہنی کشمکش سے ہوتا ہے صحافت نگاری کے پیشے میں اسلوب کو بہت اہمیت اور وسعت حاصل ہے کیونکہ ایک صحافی کس انداز میں کونسے عناصر کو خبر کا اظہار کا وسیلہ بناتا ہے اسلوب یا اسٹائل کہلاتا ہے کوئی بھی چیز ادیب یا شاعر کو اسلوب کا بیان نہیں سیکھا سکتی ادیب اپنی کوششوں سے ہی اپنی تحریروں میں انفرادیت کا پہلو پیدا کرتا ہے جب اسے اس بات کا کامل یقین ہو جائے کہ اس کی تحریر جامعیت اور پورے مفہوم سے لبریز ہے۔

بقول ن۔م۔راشد:

> "اسلوب بیان ایک ہلتا جلتا نشوونما پاتا ہوا جسم ہے اس کی مثال نہ تو اس پوشاک کی ہے جو ہم پہنتے ہیں نہ ہماری رفتار و گرفتار بلکہ یہ خود گوشت اور خون کا بنا ہوا جسم ہے جس کے اندر ادیب کے ادراکات، احساسات اور خیالات دھڑکتے ہیں۔"(۳)

ہر تحریر میں جذبات 'الفاظ کی صحت' اختصار پسندی، جامعیت، دلچسپی کا عنصر ایک لازمی امر ہے۔

والٹر پیٹر اپنے مضمون میں سٹائل کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

> "Style is a certain absolute and unique of expressing a thing in all its intensity and colour" (۴)

سٹائل کا تعلق انگریزی کے لفظ سے ہے جس کا اطلاق نظم و نثر پر ہوتا ہے مثلاً طرز بیان کو Poetic Style اور نثری طرز بیان کو Prose Style کا نام دیا گیا ہے جبکہ یہ یونانی لفظ (Style) سے نکلا ہے جس کے معنی لکڑی یا دھات سے بنا ہوا نوکیلا اوزار اور ہاتھی کے دانت کے ہیں اسلوب مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی طریقہ، راستہ، روش اور ڈھنگ کے ہیں لہذا اسلوب کے اظہار کیلئے خیالات و تصورات کو ایسا جامعہ پہنایا جائے کہ وہ دلنشین منفرد اور انوکھی تحریر ہو۔

بقول حامداللہ آفسر:

"اسلوب بیان یا سٹائل سے مراد کسی مصنف کا وہ طرز تحریر ہے جو اسی مصنف کے ساتھ مخصوص ہو اور اس کی تحریر کی امتیازی خصوصیات کا حامل ہو۔" (۵)

ادب زندگی کا ترجمان ہے لیکن اس کی ترجمانی ادیب اور شاعر کے نقطہ نظر سے ہوتی ہے ایک ادیب عام الفاظ میں اپنے خیالات و تصورات کی ترجمانی کر سکتا ہے مگر کچھ ادیب جن کو زبان پر مکمل قدرت حاصل ہو وہ اپنی تحریروں میں محاوروں اور الفاظ مخصوص انداز میں پیش کر سکتا ہے۔ اسلوب کا حسن و جمال سے گہرا تعلق ہے اور وہ حسن جو انسان کے دماغ میں موجود ہے ایک بچہ کسی چیز کو جس طرح پیش کرے گا اس کے مقابلے میں بالغ آدمی کا دماغ اس چیز کو پیش کرتے وقت بچے کے مقابلہ کہیں زیادہ حسن و جمال پیدا کرے گا۔صحافت کے میدان میں جہاں کالم نے ایک مقبول صنف کی حیثیت سے اپنی جگہ بنا لی ہے وہاں یہ کہنا مضحکہ خیز نہیں کہ کالم کی بہت سی اقسام موجود ہیں کالم میں وقت اور حالات کے پیش نظر زندگی کے ہر پہلو پر بات کی جاسکتی ہے ۔تاریخی کلام فنی و سائنسی طریقہ فکاہیہ کالم، مزاحیہ کالم، سیاسی، ثقافتی کالم، معاشی ،اقتصادی کالم یہ تمام کالم خاص نقطہ نظر کے تحت لکھے جاتے ہیں۔کالم میں کالم نویس اپنی ذات کو نمایاں کرتا ہے اس میں اسکا اپنا لب ولہجہ اور انداز بیان ہوتا ہے جس میں وہ اپنے خیالات و

تصوارت کی چاشنی ڈالتا ہے اپنے علم و ہنر تجربے اور مشاہدے کی بناء کالم کو پر اثر اور جاندار بناتا ہے کالم نگار کالم میں دوستانہ اور بے تکلفانہ ماحول کی وجہ سے قارئین کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ تحریریں سنجیدہ اور مشکل بھی ہوتی ہے اس لیے یہ کام بڑی مہارت کے تحت کیا جاتا ہے کالم میں سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ قارئین کی زیادہ تعداد ناخواندہ ہوتی ہے اس لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کرنا پڑتا ہے جس سے قارئین کی زیادہ تعداد کالم کے ذریعے دی گئی معلومات سے مستفید ہو سکے۔کالم کے کئی پہلوؤں سیاسی، تاریخی، علمی و ادبی، سماجی پہلو بھی ہوتے ہیں کالم نویس ایک سیاسی پہلو پر ایک مستقل عنوان کے تحت کرتا ہے مثلاً ہمارے سیاسی کا رکن میں وجاہت مسعود نے کالم کو عنوان ہی سیاست کے حوالے سے رکھا ہے جس میں سیاسی رہنما اور سیاسی کارکن کا آپس میں تعلق اور واسطہ بڑے ہی دلچسپ اندار میں بیان کیا ہے اسی طرح کالم نویس سماجی اور معاشرتی ثقافتی و ادبی حالات و واقعات کے پیش نظر کالم کا عنوان اسی طرح سے رکھتا ہے کہ ماحول و معاشرہ کو یہ بات بالکل سمجھ میں آ سکے جس میں وہ آبادی کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر ملک میں غربت اور مہنگائی کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ یہ اس کے ہی دل کی آواز ہے۔

علمی و ادبی کالم اس طرح سے پیش کیے جاتے ہیں کہ ایک تہذیب و تمدن اور ثقافت کا موازنہ ہو رہا ہو اور ایک ملک دوسرے ملک کی ادب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر اپنے ادب کو وسیع کرے علم کسی بھی طرح ملک کو پسماندہ نہیں ہونے دیتا۔علم و ہنر کی بدولت ایک ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر امن و سکون اور خوشحالی کی راہیں ہموار کر سکتا ہے کالم کے ذریعے ہی معاشرے کی اصطلاح اور درستگی ممکن ہے معاشرے کو اخلاقی قدروں سے آگاہ کرکے ملک و قوم کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچایا جا سکتا ہے اور یہ سب ایک کالم نویس اپنے کالم میں آسان، عام فہم اور تکرار سے پاک الفاظ کا چناؤ کرنے ہی قارئین کو یہ سب پہنچا سکتا ہے کیونکہ سنجیدہ اور مشکل الفاظ کا چناؤ قارئین کو تحریر پڑھنے سے دور کر سکتا ہے۔کالم نویس کا مشاہدہ اور تجربہ ایک عام

آدمی کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اس کے پاس معلومات کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے جس سے وہ مختلف حالات و واقعات کے پیش نظر فائدہ اُٹھاتا ہے اور اپنے کالم کو دوسروں سے مختلف اور منفرد اسلوب کی شکل میں قارئین کے سامنے لاتا ہے۔

ب۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کے خصائص

اردو صحافت کی بات کریں تو اس بے شمار کالم نویس کی گہری چھاپ نظر آتی ہے جنہوں نے اس شے کو اپنے علم وہنر کی بناء پر چار چاند لگادیے ہیں۔وجاہت مسعود کے اسلوب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تحریر میں اصول کے پابند نہیں ہیں وہ اصولوں سے ہٹ کر اپنی بات قارئین تک آسان اور سہل انداز میں پہنچاتے ہیں کہیں وہ شعر شاعری کا استعمال کرتے ہیں تو کہیں اردو محاروں، ضرب المثل اور کبھی فارسی فقرے استعمال کرتے ہیں۔ وجاہت مسعود اسلوب کے میدان میں توڑ مروڑ کر الفاظ کو بیان کرتے ہیں ایسے کے روزمرہ زندگی میں ہم ایک دوسرے سے بات کر رہے ہیں۔ان کے اسلوب میں جہاں آسانی پائی جاتی ہے وہیں وہ بڑے محتاط انداز میں معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔ معاشرے میں تشدد، ریاکاری ، فحاشی کو معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں وہ ان عناصر کو ایک غیر مہذب معاشرے کے عناصر قرار دیتے ہیں۔ وجاہت مسعود نے خود کو ایک بہترین لکھاری کی حیثیت سے منوایا ہے۔ان کی تحریر یں ہلکی پھلکی زبان میں ہونے کی وجہ سے قاری کے دل و دماغ میں اپنا ایک خاص نقش بٹھا دیتی ہیں جو کہ خوش آئند بات ہے ان کے کالم ایک مو ثر اور حسین مزاج سے لبریز ہوتے ہیں جن کو پڑھ کر قاری کو لطف محسوس ہوتا ہے ان کے شواہد اور دلیل ایک ثبوت پیش کرتی ہیں کہ قاری ان کی تحریر یں پڑھنے میں دل و دماغ کو ان پر اثر دلکش عنوان میں ڈبو کر تحریر کو انجام تک پڑھنے میں مدد دیتا ہے۔وجاہت مسعود اپنے تحریروں میں اشعار کا استعمال کر تے ہیں اور اشعار اتنی خصوصیات اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتا ہے کہ قاری دل سے تحریر کو شروع سے آخر تک پڑھنی پڑھتی ہے۔ قاری کے دل میں تجسس کا مادہ پروان چڑھتاہے کہ

اس میں آخر کون سی خوشی اور فراوانی یا تجسس کو موزوں بنایا گیا ہے۔ جیسے وجاہت مسعود کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

گھر سے نکلے تو ملاقات ہوئی پانی سے
کہاں ملتی ہے خوشی اتنی فراوانی سے

یہاں پر انھوں نے شعر کی مدد سے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان اپنی خوشحالی امن وسکون اور بہتری کے لیے مغرب کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے نقل میں کامیابی کو ڈھونڈتے ہیں کالم خوشی اور اتنی فراوانی سے اس میں اپنوں نے خلوص اور عوام کے درمیان تعلقات کو موضوع بنایاہے اوراس میں بات کو بڑے ہی موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسے

"فراوانی کی لغت ایک طرف مگر عزیزو خوشیاں تو چھوٹی ہوتی ہیں۔ "[۶]

اس کے علاوہ قوم اور ملک کی نوجوان نسل کو بیدار کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ان کے اندر موجود مایوسیوں اور نا امیدی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں میں جستجو اور تجسس کا مادہ بیدار کرتے ہیں۔

"وجاہت مسعود کے کالموں کی ایک خوبی حسنِ تحریر ہے خوبصورت تخلیقی جملے، ادبی، چاشنی، اردو، فارسی اور پنجابی مصرعوں کا بر محل اور برجستہ استعمال ان کے کالموں کو حسن بخش دیتا ہے۔ جس سے ادب اور فن کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور پڑھنے والا بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ "[۷]

وجاہت اور پر اثر تحریر میں لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے ہیں ان کو یہ عبور حاصل ہے کہ وہ ایک سمندر کو کوزے میں بند کر سکیں۔ یہ اپنی تحریر کا موضوع اتنا دلچسپ اور تجسس سے بھر پور استعمال کرتے ہیں کیونکہ قاری کو اپنی تحریر میں پورے دل و دماغ سے پڑھنے اور ان میں کھو جانے پر مجبور کرنا ہوتا ہے کہ وہ موضوع کو دیکھے تو اسے تحریر پوری پڑھنے کا دل کرے

اس لیے تحریر کا موضوع / عنوان اس قدر جاندار ہو کہ قاری اس میں کھو کر رہ جائے جیسے ان کے کالم کا موضوع"امریکی نخرے میں گرم مسالا" اب اس موضوع کو دیکھ قاری کے دل میں ایک ایسی جستجو کی لہر اٹھتی ہے کہ وہ اس تحریر کو پڑھے کہ امریکہ میں کونسی لہر یا کونسی کوئی تحریک ہے اس عنوان میں چٹ پٹی خبر کے طور پر اس عنوان کو قاری ایک نئی خبر کے طور پر پڑھے گا اس اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وجاہت مسعود نے اس میں شہریوں کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے اس میں وجاہت مسعود نے امریکہ کی معیشت کا موازنہ دوسرے ملکوں سے کیا ہے اس کی ترقی کو بیان کیا ہے امریکہ کی قوت ان کی علمی اور پیداواری صلاحیت کو قرار دیا۔ قاری اپنے اسلوب میں خوبصورتی اور خصوصیت موضوع کے ذریعے ہی پیدا کرتے ہیں قاری کو ان کی تحریر پڑھ کر دل و دماغ کو تقویت ملتی ہے اور سادہ اور عام فہم زبان استعمال کرنے کی بدولت قاری ان کی تحریروں کو دل و جان سے محو ہو کر پڑھتا ہے اور اس کے ذریعے قاری کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے تجربے اور علم و ہنر کی بدولت نئی اور آنے والی نسل کی بہتری کے لیے خوشگوار ماحول پیدا کر سکتا ہے۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی خصوصیات یہ بھی ہے کہ وہ کہیں کہیں آسان اور سادہ الفاظ استعمال کرنے کے بجائے مشکل، پیچیدہ اور نئے نئے الفاظ کو متعارف کراتے ہیں وقت اور حالات کے پیش نظر اپنے اسلوب میں وہی پہلو بھی اجاگر کرتے ہیں جو وقت اور حالات کے متقاضی ہوں جیسے ان کا ایک کالم"بادشاہت کا خاتمہ" اس میں وجاہت مسعود نے سعادت حسن"منٹو" کا افسانہ"نیا قانون" کو اپنا استعارہ بنایا اور اپنی تحریر میں ظلم و برائی ختم ہونے کی نوید سنائی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ اب بکری اور شیر ایک گھاٹ میں پانی پی سکیں گے اور عوام کے اندر امید اور خوشی کی ایسی لہر پیدا کرنے کی کوشش کی جس سے عوام نئے پاکستان کو بنانے میں لگن اور محنت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ وجاہت مسعود نے اپنی تحریروں میں اسلوب کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ قاری ان کی تحریروں میں محو ہو کر رہ جاتا ہے عوام کے حق کی بات اور حکومت کے فرائض کو اس طرح سے سادہ اور آسان لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ قاری ان

کی تحریر پڑھنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور وہ اپنے کالم میں بھی عوام اور حکومت دونوں کے حق اور فرض کو ایک خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔

> ”جمہوریت کوئی رعایت نہیں یا کسی عالی سرکار کا تحفہ ہیں، کسی کی عنایت نہیں عوام کا بنیادی اور لانیفک حق ہے دستور کے مطابق جمہوریت ملکی بندوبست چلانے کا واحد قانونی راستہ ہے۔“(۸)

اس کالم میں کتنی خوبصورتی اور بڑے ہی دلکش انداز میں چھوٹے چھوٹے مصروں میں بات کی ہے کہ پڑھنے والے کو اس میں مزہ آئے۔ وجاہت مسعود کے کالم میں اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وقت کے بدلتے تقاضوں کے مطابق اپنی تحریروں کو ڈھال لیتے ہیں تا کہ ماحول اور معاشرے کی بحالی اور ترقی برقرار رہے اور تمام افراد کو یکساں طور پر اس سے فائدہ حاصل ہو۔ ان کا ایک کالم ”آیئے رنگ منایئے“ میں وجاہت مسعود نے زندگی کے ایک سب سے اہم پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ پہلو تعلیم کا ہے وقت کا ایک اہم تقاضا تعلیم ہے جو نوجوان نسل میں علم و شعور پیدا کر سکتی ہے اور ان کو زندگی کے مختلف شعبوں میں مدد دے سکتا ہے اس میں انہوں نے سیاست کو بھی نوجوان نسل سے منسلک کیا ہے کہ نوجوان نسل ہی اپنی تعلیم و تربیت اور عقل و شعور سے اپنے لیے اور وطن کے لیے رہنما کا انتخاب کرے گی جو ملک و قوم اور آنے والے مستقبل کو روشن راستوں سے ہمکنار کرے گی اور دوسری طرف اسی کالم میں معاشی اور سماجی ناانصافی کو بنیاد بنایا ہے کہ ملک میں موجود ناخواندہ افراد کسی بھی طور ملک کی معاشی ترقی کی دوڑ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بچے بچیوں کو بغیر کسی تفریق کے تعلیم کی راہ میں چلنے کی آزادی دی جائے تا کہ ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو سکے۔ تعلیم کی بنیادی حقیقت کو بغیر کسی پیچیدہ الفاظ کے استعمال کیا جو سب کے دل و دماغ میں اثر کرتا ہے اور نوجوان نسل کو تعلیم کی طرف راغب کرتا ہے۔ صحافت میں اسلوب کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اسلوب ہی کسی تحریر کی جان ہوتا ہے ثقیل اور مشکل الفاظ اکتاہٹ اور بوریت کو جنم دیتے ہیں اور وجاہت مسعود نے قاری کو اکتاہٹ اور سستی سے نکالنے کے لیے اپنے کالموں کے عنوان ہی دلچسپ اور

بڑے موثر رکھے ہیں کیونکہ قاری دلچسپ موضوع کو دیکھ کر ہی تحریر کو بھی پڑھے گا اور وجاہت مسعود کی تحریر کا مقصد قاری کو دلچسپ معلومات فراہم کرنا ہے۔

> ” وجاہت مسعود اپنے کالموں میں صحافتی زبان کے اصولوں کے تابع ضرور نظر آتے ہیں یعنی صاف شفاف، مختصر، جامع اور اگر موضوع اجازت دے رہا تو کھل کر بات کرنے والے کیونکہ وہ اپنی تحریر میں تزئین و آرائش، تصنع، بناوٹ، ملاوٹ جیسی خامیوں کو جگہ نہیں دیتے۔“(۹)

وجاہت مسعود کے ایک کالم ”انتہا پسند “لبرل فاشٹ اور سیکولر ازم " اس موضوع کو پڑھتے ہی ذہن میں بے شمار سوالات جنم لینا شروع ہو جاتے ہیں ان کا اسلوب موضوع اور اس میں چھپی ہوئی حقیقتوں کو سامنے لانے میں مدد دیتا ہے ان کی تحریروں میں سیاست / معاشرت اور سماج پر گہری چھاپ نظر آتی ہے جو وجاہت مسعود اپنی تحریروں کے اسلوب میں پہناں رکھتے ہیں تاکہ قاری کو تحریر پڑھ کر اس کا دل و دماغ خود گواہی دے کہ بات سمجھ میں آئی ہے یا نہیں؟ جیسے اس کالم کا موضوع دیکھ کر ایک عام آدمی کے ذہن میں سب سے پہلے یہ بات آئی ہے کہ یہ سیاست کے متعلق ہے لیکن وجاہت مسعود نے بہت ہی آسان پیرائے میں معاشرے اور سماج پر گہری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے اور یہ خصوصیت ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے انہوں نے اس کے ذریعے کالم میں بہت سی گرہیں کھولنے کی کوشش کی ہے کہ سیاسی اثرات معاشرے اور سماج پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے کیا تعلق اور واسطہ ہوتا ہے اب اس کالم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں وجاہت مسعود نے معاشرے میں مقبول پانے والی سیاست کو آسان الفاظ میں موضوع بحث بنایا ہے جیسے یہ الفاظ ملاحظہ ہیں۔

> ” معاشرے میں مقبولیت پسند سیاست دخل پا جائے تو بھی سیاسی اصطلاحات کا مفہوم گڈمڈ ہو جاتا ہے۔“(۱۰)

اب ان کو اگر غور سے پڑھیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معاشرے میں کسی طور بھی سیاست کو داخل نہیں کرنا چاہئے اور معاشرے کے قوانین اور ضوابط سکولوں، مدرسوں اور نصاب کے تحت فروغ پاتے ہیں

اس لیے نصاب میں سیاست سے متعلق زیادہ لت معاشرے کو خراب بھی کر سکتی ہے وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں روز مرہ مکالمے کا انداز بھی اپنایا ہے ان کے خیال میں الفاظ جتنے سادہ اور آسان ہونگے اتنی ہی ان میں برجستگی، نفاست ہو گئی جیسے ان کا ایک کالم "تیرا سرمایہ یہی ہاتھ تو ہیں" میں کالم کی ابتداء ہی انسانی نفسیات کے عین مطابق ہے جو کہ ان کے اسلوب کی ایک خاص خصوصیت ہے مثلاً

"بندہ بشر ہے غلطی ہو ہی جاتی ہے ۔"[11] ابتداء ہی اتنی دلچسپ ہو گئی تو قاری کو شروع سے آخر تک کالم پڑھنے میں مزہ آئے گا اسی طرح ایک اور کالم "مہر و سالک کے انقلاب کو دیکھ" اس میں کالم کا آغاز ہی "سبحان اللہ" سے کیا جس سے قاری کو پڑھتے ہی لذت اور چاشنی کی کیفیت اس کے دل و دماغ میں بھر جائے گی یہ چھوٹے چھوٹے واقعات تو وجاہت مسعود کے کالموں کے اسلوب میں مٹھاس بھر دیتے ہیں اسی طرح ایک اور کالم جو وجاہت مسعود کے اسلوب کی خصوصیت میں چار چاند لگا دیتا ہے "ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں "میں بیان کرتے ہیں

"اللہ اللہ ! ایک طرف شرف انسانی کا ایسا غلغلہ اور دوسری طرف انسانی احترام کی ایسی پامالی۔"[12] اب ان الفاظ کو دیکھ کر ایک عام انسان ذہن میں فوراً آ جاتا ہے کہ کس طرح اس کی عزت اشرف المخلوقات سے وابستہ ہے لیکن دنیا میں امیر اور غریب کے فرق سے ایک عام انسان کی عزت کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا ہے جس سے انسان کی عزت و تکریم کرنا بہت مشکل بن گیا ہے۔

ج۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرایت

کسی بھی اسلوب کی انفرایت اس کے اند ر چھپی ہوئی خوبیوں پر منحصر ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریر خواہ وہ طویل ہو یا چھوٹی اسلوب کی برجستگی، پر کاری، زبا ن وبیان، مانوس اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال اس تحریر کو دوسری تحریروں سے منفرد اور ممتاز بناتی ہے۔ اس کے لیے ایسی زبان کا انتخاب کرنا پڑتا ہے کہ جس سے معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد مستفید ہو سکیں کسی بھی اسلوب کو دلکش، جاندار بنانے کے لیے مانوس الفاظ کا استعمال ایک موثر عمل ہے۔ ادب میں صحافت کو اہم مقام

حاصل ہے۔صحافت کی بے شمار اقسام ہیں جو ہر وقت کسی نہ کسی طریقے سے عوام کو فائدہ پہنچانے میں مصروف ہے۔ادب میں الفاظ کا استعمال بڑے ہی محتاط انداز میں کیا جاتا ہے کیونکہ ادب میں حقیقت پسندانہ واقعات کو خاصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ادب اپنی وسیع النظری کی بدولت دنیا میں ایک خاص مقام کا حامل ہے۔کیونکہ ادب میں بے شمار واقعات ہوتے ہیں جووقت اورحالات کے پیش نظر انسانوں کو مختلف پہلوؤں سے روشناس کراتے ہیں تاکہ ماحول و معاشرے میں وقوع پذیر حالات سےمعلومات میں اضافہ ہوسکےاوراپنی آنےوالی نسل کی بھر پور کفالت اور مدد کر سکیں۔وجاہت مسعودکےکالموں کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے الفاظ سادہ اور عام فہم استعمال کیے ہیں۔ان کی تحریروں کو مختلف اور انوکھے موضوعات کی وجہ سے مقبولیت حاصل ہے۔صحافی کو ایک عام زبان استعمال کرنی پڑتی ہے اور اس کی نسبت ایک ادیب مشکل الفاظ وتراکیب، رمزو کنایہ، تشبیہ، استعارہ وغیرہ کی باریکوں اور فن سے متعارف ہوتا ہے، اور وہ اپنی تحریروں میں سادگی کے ساتھ ساتھ مشکل اور پیچیدہ الفاظ کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔لیکن وجاہت مسعودنے اپنے کالموں کو ترقی و عروج کا پیشہ بنایا اور تمام لوگوں کے دلوں میں گھر کالم کے ذریعے ہی کیا کیونکہ ان کے کالم آسان اور عام فہم ہوتے ہیں اور موضوعات منفرد اوردلچسپ ہوتے ہیں اس لیے قارئین میں پسند کیے جاتے ہیں۔

> ”وجاہت مسعود نے اپنی تحریر میں ادب کی مشکل تراکیب، استعارے، اصطلاحات باآسانی استعمال کی ہیں ان کے کالم سمجھنے کے لیے اردوزبان ومحاورات پر عبور ضروری ہے تاکہ قاری کالم میں چھپے طنز ومزاح کو سمجھ سکے۔“[۱۳]

اس کے علاوہ وجاہت مسعود نے زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے کالموں میں بیان کیا ہے۔ کہیں وہ سیاست میں ہونے والی بدعنوانی، کرپشن، حکمرانوں کے جھوٹے وعدے اور جمہوریت کا نعرہ لگاکر آمریت کے نظام کو فروغ دیتے ہیں اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کو پسِ پشت ڈال کر اپنے مفاد کو حاصل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔عوام ان حالات وواقعات کو ہمیشہ ہی دلچسپی کے ماحول

میں پڑھتے ہیں اور حالاتِ حاضرہ سے متعلق معلومات بھی حاصل کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے اسلوب میں معاشرتی اور سماجی حالات کو نہایت ہی عمدہ طریقے سے بیان کرنے کا فن مو جود ہے۔امید کے چراغ روشن کرنے اور ان سے راستو ں کو ہموار کرنا اُن کے کالموں کی انفرادیت کو ظاہر کرتی ہے۔وجاہت مسعود کا کالم''ہم اُداس کیوں ہیں؟'' اس میں انہو ں نے ایک فرد گر وہ یا قبیلے کی بات نہیں کی بلاتفریق پورے ملک میں معاشی حالت،غربت،تنگدستی کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے موضوع سے واضح ہوتا ہے کہ جب کسی بھی ملک یا معاشرے کے حالات بہتر نہ ہوں تو وہ معاشرہ اوراس میں رہنے والے افرادخودبخودناامیدرہناشروع ہوجاتےہیں۔ ان کے کالموں کا اسلوب عنوان کے اندر چھپی ہوئی جانوں کو افشاں کرتا ہے کہ اُداس رہنے سے مراد لوگوں کا ایک دوسرے سے تعلق یا رابطہ استوار نہ کرنا اس کے معنی نہیں ہیں بلکہ اس میں اُداس رہنے میں بےشماررازپنہاں ہیں۔یعنی لوگوں میں آگہی اورشعورکی کمی ہے۔ یہاں منزل بھی معلوم نہیں۔زندگی کامقصد کیا ہے؟ اس کا تعین نہیں ہوا۔پرندوں کے ہجرت کی بات کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ اور ماحول برے حالات میں گھیراہوا ہے اورترقی اورخوشحالی اس ماحول میں ناممکن بنتی جا رہی ہے۔ان کے کالم کےعنوان میں ہی ان کے تحریروں کی انفرادیت''انوکھاپن'' اورممتاز ہونے کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ان کی تحریروں میں موضوعات کو بنیاد بنا کر زندگی کے ہر پہلو بڑی ہی برجستگی سے بیان کیا گیا ہے۔وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ واقعات، حالات حاضرہ میں ہو نے والے حادثات کو اتنے پر سکو ن سلیقے سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کا ذہن کشمکش اورالجھاؤکاشکارنہیں ہوتا۔وجاہت مسعود کے کالمو ں میں انفرادیت کا پہلو اس انداز میں بھی موجود ہے کہ انہوں نے کالموں میں روزمرہ زبان استعمال کی ہے۔کہیں کہیں اُنہوں نے ڈرامائی انداز بھی اپنایا ہے، مگر مکالمہ کی زبان استعمال کر کے قاری کوتجسس کے چنگل میں اس طرح سے حصار کر رکھا ہے کہ وہ تحریر میں موجود حالات و واقعات خود سےوابستہ

کر بیٹھتا ہے جیسے یہ تمام واقعات اس کے اوپر بیتے ہوں روزمرہ و مکالمہ کی زبان استعمال کی جو ان کے کالم کے اسلوب کی انفرادیت ہے۔ ملاحظہ ہے۔

"ہمارے لیے تو یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔ پاکستان کے شہر میں کسی سڑک پر نکل جایئے "مجال ہے جو کسی چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے" کسی کوچے کا رخ کیجئیے، ممکن نہیں کہ کوئی نوجوان قہقہہ سماعت میں رس گھولے۔"(۱۴)

اب اس اقتباس میں انفرادیت کا پہلو واضح نظر آتا ہے کہ کس طرح وجاہت مسعود صاحب نے مکالمہ کا انداز بیان کر کے قاری کو اس کے ذہن کی تشنگی اور آسودگی میسر کی۔ وجاہت مسعود نے سیاست میں انفرادیت کا پہلو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ عوام کو بس یہی محسوس ہو تا ہے کہ تحریر میں لکھا ہو ا سب کا سب ان کے ساتھ بیت رہا ہے یعنی عوام کے مفاد اور ان کی پسند اور ناپسند ان کی ترجیحات کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینا یہاں کی ناانصافی ہے کیونکہ آخرت کا نظام ختم ہو گا تو ہی ملک بہتر ہو گا۔

"اگر جمہوری حکومتوں پر غیر منتخب دونوں کی تلوار لٹکتی رہے تو سیاسی قیادت عوامی مفاد کے بنیادی فیصلے کرنے سے معذور ہو جاتی ہے۔"(۱۵)

اس کے علاوہ وجاہت مسعود کے اسلوب کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کے موضوعات کے اندر بھی بے شمار خوبیاں موجود ہیں اور قاری کو پڑھ کر اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ تحریر کس چیز کے بارے میں ہے اب ان کے کالم "گوتم بدھ، کچھوا اور ڈاکٹر دھماکہ" اب انہیں عنوان کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں کئی طرح کے سوالات ابھرتے ہیں ایک طرف وجاہت مسعود نے ایک ناول کے ہیرو کو بہت اہمیت دی ہے کہ کس طرح ثقافت اور روایات کو بدلتے وقت کے تقاضوں میں ڈھلتا ہے اور دوسری طرف ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ذکر کیا کہ ملک کو ایٹمی طاقت بنایا اور عزت و ناموس کی حفاظت کی اور پاکستان کی شہرت اور عزت کا سہرا انھیں کے سر پر باندھا۔

"مذہبی سیاست کے علمبرداروں کی ڈاکٹر قدیر سے دلچسپی کا ایک خاص پس منظر ہے۔
فوج سے قربت، ہتھیار سازی سے شغف، سیاسی امور پر مذہبی لغت میں رائے زنی اور
ہمسایہ ممالک سے ازلی دشمنی کی وکالت، مذہبی سیاست کا ہیر وان عناصر ہی سے ترتیب
پاتا ہے"(۱۶)

اب اس میں سادہ سے الفاظ سے اسلوب میں تین طرح کے عناصر کو جنم دیا ہے مثلاً روایات اور ثقافت کی عکاسی، ملک کی شہرت اور ترقی ان سب چیزوں کو بدلتے وقت کا عکاس قرار دیا ہے۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ جب بھی کوئی بات کسی بھی ماحول معاشرے اور موضوع پر کرنی ہو عنوان بھی اسی طرح کا ترتیب دیتے ہیں کہ قاری کے ذہن کے شگوفے کھل جائیں اور الفاظ کا استعمال اس قدر مانوس ہوتا ہے کہ وہ تحریر کی جانداری اور کشش میں محو ہو کر رہ جائے اور ایسی منظر نگاری بھی کرتے ہیں کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ وہ خود دیکھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے یعنی تحریر کو حقیقت نگاری کے بالکل قریب پیش کرتے ہیں اس میں وہم و گمان کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ وجاہت مسعود نے اپنے کالم "چراغ سب کے بجھیں گے، ہوا کسی کی نہیں" میں کتنی جرات مندی اور بہادری سے انسان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے اور یہ اسلوب کی انفرادیت ہی ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔

"ہماری خود پسندی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ ہمیں اپنے میں کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا
اور ہم اپنے سوائے اپنی ذات کے سب کو کرپٹ سمجھتے ہیں لیکن ہم وہ صلاحیت کھو بیٹھے
ہیں جس کو قوم کو لاحق مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔"(۱۷)

اب اسی طرح وجاہت مسعود کا کالم "بادشاہت کا خاتمہ" اس عنوان کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں جو سوال سب سے پہلے اٹھے گا وہ یہی ہو گا کہ کیا بادشاہوں، حکمرانوں کو بھی اپنی غلطی کی سزا ملی ہے جس کی صورت میں ان سے ان کا تخت و تاج چھن گیا ہے؟ عام آدمی اور بادشاہ میں کیا فرق ختم ہو گیا ہے؟ کیا وقت کا قانون سب کے لیے یکساں ہے؟ کیا امیر و غریب کے لیے یکساں حقوق ہوں گے کیا سب کو ایک ہی ترازو میں تولا جائے گا؟

حوالہ جات

۱۔ راقمہ کا ندیم رحمن ملک، ٹیلی فونک انٹرویو ۲۳ نومبر ۲۰۱۹ء

۲۔ قاسم یعقوب، اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث، منتخب تنقیدی مقالات، سٹی بک پوائنٹ ۲۰۱۷ء، ص ۷

۳۔ ایضاً، ص ۲۲

۴۔ ایضاً، ص ۲۸

۵۔ ایضاً، ص ۴۷

۶۔ وجاہت مسعود، محاصرے کا روزنامچہ [۱]، خوشی اور اتنی فراوانی سے، سنگ میل پبلشر، لاہور، ۲۰۱۷، ص ۴۵

۷۔ راقمہ کا رضی الدین رضی، ٹیلی فونک انٹرویو ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

۸۔ وجاہت مسعود، محاصرے کا روزنامچہ [۱]، بادشاہت کا خاتمہ، سنگ میل پبلشر، لاہور، ۲۰۱۷، ص ۱۵۹

۹۔ راقمہ کا رضی الدین رضی، ٹیلی فونک انٹرویو، ۱۶ دسمبر ۲۰۱۹

۱۰۔ ایضاً، انتہا پسند، لبرل فاشٹ اور سیکولرازم، ص ۹۷

۱۱۔ ایضاً، تیرا سرمایہ یہی ہاتھ تو ہیں، ص ۲۴۰

۱۲۔ ایضاً، ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں، ص ۲۵۲

۱۳۔ راقمہ کا ندیم رحمن ملک، ٹیلی فونک انٹرویو ۲۳ نومبر ۲۰۱۹ء

۱۴۔ وجاہت مسعود، محاصرے کا روزنامچہ [۱] (ہم اُداس کیوں ہیں)، سنگ میل پبلشر، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۹

۱۵۔ ایضاً، سیاسی قیادت کا امتحان، ص ۴۰

۱۶۔ ایضاً، گوتم بدھ، کچھوا اور ڈاکٹر دھماکہ، ص ۲۲۶

۱۷۔ ایضاً، چراغ سب کے بجھیں گے، ہوا کسی کی نہیں، ص ۱۲۷

باب پنجم

مجموعی جائزہ، نتائج وسفارشات

الف۔ مجموعی جائزہ

وجاہت مسعود پاکستان کے مشہور اخبارات "روزنامہ جنگ "روزنامہ "دی پوسٹ "، "دی نیوز"، "آج کل" ان کے ساتھ منسلک رہے اس کے علاوہ ماہانہ "نوائے انسان" ہفتہ وار "ہم سحری" میں بطور ایڈیٹر خدمات سر انجام دیتے رہے۔ تا حال آپ Dunya Plustan.com، E-Paper اور اسکے علاوہ ۲۰۱۱ء سے ملک کے کثیر الاشاعت روزنامہ "جنگ" میں ہفتے کے دو کام لکھ رہے ہیں اس کے علاوہ وجاہت مسعود ویب سائٹ "ہم سب" کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں آپ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں پرنٹ الیکٹرانک اور آن لائن جرنلزم سے وابستہ رہے۔ایک صحافی کی حیثیت سے وجاہت مسعود کسی سیاسی وابستگی کے پابند نہیں ہیں آپ اپنے ضمیر کی آواز میں جمہوریت ، انسانی حقوق، شہری آزادیوں جیسے معاملات پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں آپ پچھلے تیس برس سے قومی مسائل پر اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔وجاہت مسعود کے سیاست، معاشرت، تاریخ، علم وادب کے گرد گھومتے ہیں یہ جس طرح اپنے ارد گرد چیزوں اور ان میں موجود باریکیوں کو دیکھتے ہیں اسی طرح اپنے کالم میں موضوع کی مناسبت سے معاشرے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں ان کے کالموں میں دلکشی اور انفرادیت کا پہلو بھی نمایاں ہے جو ان کے کالموں کو دوسروں کالموں سے ممتاز کرتا ہے آپ نے اپنے کالموں کے ذریعے سے سیاست پر جو کاری ضرب لگائی ہے اور شاید ہی کسی اور نے لگائی ہو۔ آپ نے سیاست میں موجود برائیوں اور حکمرانوں کے ناپاک عزائم کو اپنے کالم کی زبان میں عوام تک پہنچایا اور عوام کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور یہ کہ سیاسی حکمران کس طرح عوام کو فریب اور دھوکا دہی کے جال میں پھنساتے ہیں ان کو طرح طرح کے خواب دکھاتے ہیں لیکن جب وہی حکمران برسر اقتدار آتے ہیں تو عوام سے کیے گئے وعدے نبھانا تو دور یاد بھی نہیں رکھتے اس

طرح غریب وقت کی چکی میں پستا ہے اور امیر اپنی دولت کے بل بوتے پر رشوت، سود اور ایسی کئی لعنتوں سے اپنی ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ وجاہت مسعود کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے عوام کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے اور سادہ آسان اور عام فہم الفاظ کا استعمال کر کے عوام کے دکھ، درد کا مداوا کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کو اس بات پر ابھارنے کا عزم رکھتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے جن اخلاقیات کے بل بوتے پر علیحدہ ریاست کی تشکیل کی تھی آج کے لوگ ان اخلاقیات اور آداب کو بھول بیٹھے ہیں لہذا اس معاشرے میں موجود تلخ حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ وجاہت مسعود مسلمانوں کو ان کے ماضی کے دریچوں کو کھولنے اور اس سے سبق سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ کس طرح ہمارے بزرگوں نے اپنی جان کی بازی لگائی تھی اور اپنی عزت و آبرو کو بچانے اور اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے لیے ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے اور کئی سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اپنا الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس وقت لوگوں میں پیار و محبت، ہمدردی، احساس موجود تھا کئی مشکلات اور مصیبتیں کاٹیں مگر اپنے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آنے دی اور بالآخر پاکستان کی صورت میں تحفہ قبول کیا اور یہی خوبی، جستجو، کوشش، لگن وہ آج کے معاشرے میں دیکھنا چاہتے ہیں لیکن افسوس آج کا معاشرہ ان تمام اخلاق سے عاری ہے یہ معاشرہ نہ تو اپنے ذہن سے سوچتا ہے اور نہ ہی غلط اصول اور روایات کو چھوڑنے پر آمادہ ہے ملک میں جس قدر جھوٹ، چوری، ریاکاری، رشوت کا عمل دخل ہے انسان اسی قدر آرام پرست، مطلبی اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے پر خوش ہے۔ امت مسلمہ زوال پرستی کی طرف بڑھ رہی ہے اور اپنے درویشی، فقر جیسی خصلتیں بھلا بیٹھی ہے اسی لیے وجاہت مسعود نے اپنے کالم میں بھی ایسے موضوع موقع کی مناسبت اور حالات و واقعات کے مطابق رکھے ہیں کہ ایک عام آدمی بھی موضوع کا نام پڑھ کر اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ کالم میں کیا بات کی گئی ہے اور قاری کے دل میں جستجو اور لگن کا مادہ بھی ابھرتا ہے۔ وجاہت مسعود بھی ان تمام بیماریوں کے جو معاشرے میں موجود ہیں اس کے باوجود ایک اچھے اور بڑے کالم نگار کی حیثیت سے مایوس اور ناامید نظر نہیں آتے بلکہ معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر ممکن تگ و دو کرتے ہیں۔ وجاہت مسعود کا اپنی جڑوں اور ماضی سے مضبوط رشتہ ہے کیونکہ مذہب اسلام "ایک خدا کو ماننے والا اور رسولؐ کی تعلیمات پر عمل

پیرا ہونے والا قرآن پاک کی تعلیمات کو صدق دل سے قبول کرنے والا انسان اپنے اندر یاس اور ناامیدی کس طرح پیدا کر سکتا ہے وجاہت مسعود نے بھی عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ الگ ریاست کا قیام اس لیے ضروری تھا جہاں اسلام اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر زندگی گزاری جائے اور حکمران میں کن کن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے لیکن افسوس آج کے حکمران میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی وہ صرف وقت کے گھوڑے پر سوار دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہے وجاہت مسعود نے بھی عوام کو حکمران کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور عوام کے اندر اچھے اور برے کی تمیز، روایات اور اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے۔ وجاہت مسعود کا دلچسپ موضوع سماج ہے سماج اور معاشرے میں موجود بیماریوں کا ذکر بڑے ہی دلچسپ اور موثر انداز میں کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں جس قادر خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ معاشرے میں موجود خرابیوں کا ذکر کیا ہے شاید ہی کسی اور کالم نگار نے کیا ہو۔ انہوں نے اپنے کالموں میں معاشرے میں موجود خوف اور ڈر کس قدر خوبصورتی کے ساتھ کالموں میں قلم بند کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ سکولوں، مدرسوں درسگاہوں کی ترقی و ترویج معاشرے اور لوگوں کے روابط سے منسلک ہے جب یہیں جگہیں محفوظ نہیں ہیں تو معاشرے میں اور لوگوں کے دل و دماغ میں سکون، امن اور اطمینان کیسے ممکن ہے ؟ وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں ایسی مثالوں سے کالم کو جاندار، پر کشش اور امر بنا دیا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری معاشرے، عوام اور حکومت سب پر برابر کی تقسیم کی ہے کہ جب سب ادارے اپنے اپنے حقوق و فرائض پوری طرح نبھائیں گے تبھی معاشرے کا امن و سکون بحال ہو سکے گا۔ وجاہت مسعود نے معاشرے میں رہنے والے افراد کو مل جل کر کمیونٹی کی شکل میں ڈھالا ہے کہ کوئی بھی فرد اکیلے ترقی نہیں کر سکتا۔ معاشرے میں رہنے والے افراد خواہ وہ کسی بھی ذات پات، حسب نسب اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔ دکھ، سکھ، غم اور خوشیاں سانجھی ہوتی ہیں ایک علاقے کی تہذیب و تمدن دوسرے علاقے کی تہذیب و تمدن اور روایات سے عاری ہوتی ہیں یہی افراد ہوتے ہیں جو اپنی کوششوں سے ایک معاشرے کو دوسرے معاشرے سے ملاتے ہیں اور پھر ترقی و خوشحالی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ وجاہت مسعود بھی کسی بھی ملک اور خطے کی ترقی اور خوشحالی کا انحصار وہاں کی موجودہ شعور، صلاحیت اور اہلیت پر قرار

دیتے ہیں تعلیم کو کسی بھی معاشرے کی ترقی قرار دیتے ہیں لیکن وہ اس بات پر افسوس بھی کرتے ہیں کہ معاشرے پر سیاست کا اس قدر عمل دخل ہے کہ سیاسی کارکن، وزراء، حکمران تعلیم اور علم وہنر حاصل کر کے بھی اپنے شعور اور قابلیت سے استفادہ نہیں کرتے بلکہ اپنی دولت کی طاقت پر گھمنڈ اور غرور کرتے ہیں لہذا وجاہت مسعود اپنے کالموں میں معاشرے کے افراد کو تعلیم اور علم حاصل کرنے اور اس سے اپنی قابلیت اور اہلیت کے مطابق استفادہ کرنے اور ملک و قوم میں موجود تمام ترگندی بیماریوں کا قلع قمع کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور عوام کے اندر امید کا پیغام، لگن، شوق، جستجو کا مادہ ابھارنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اپنے کالم میں اختصار پسندی، جامعیت اور دلچسپی کا عنصر اس حد تک غالب رکھتے ہیں کہ قاری تحریر کو شروع سے آخر تک پڑھنے کا شوق رکھتا ہے اور اس میں قاری اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ اس تحریر کو اپنے اوپر بیتی ہوئی داستان پاتا ہے۔ وجاہت مسعود نے اپنی تحریروں میں تاریخ سے واقعات کو اٹھا کر آج کے مسلمانوں کو سبق سیکھانے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کے اندر ماضی کی شاندار خوبیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے کس قدر مشکلات کے بعد اپنی زندگی میں سکھ کا سانس لیا تھا اور آج کے انسان میں ایسی کوئی خصلت نظر نہیں آتی لیکن وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں بڑی ہی مہارت سے موثر انداز میں انسان کے عیبوں کو اس کے سامنے لایا ہے اور ان کو اپنے اندر بہتر خصوصیات پیدا کرنے کی تلقین کی ہے اور یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اب ہر ایک کو اپنی قابلیت، تعلیم اور ہنر سے بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ وجاہت مسعود اپنی تحریروں میں انسان کے کردار کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیونکہ وہ معاشرے میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی تعمیر افراد کی شمولیت اور اس کی بلند کرداری کو اولین ترجیح دیتے ہیں اسلام کے مطابق معاشرے کی تعمیر وترقی اور ملک و قوم کی تعمیر وترقی کو فرض اولین گردانتے ہیں وجاہت مسعود نے اپنی تحریروں میں بڑے ہی دلچسپ اور موثر پیرائے میں انسان کو اپنے کردار کشی کرنے کی تلقین کی ہے اور انہوں اپنی کالم نگاری کے ذریعے انسان کو اپنی ماضی کی روایات سے جڑے رہنے شان و شوکت جیسی داستانوں سے سبق سیکھ کر خود کو حال اور مستقبل میں بہتر کرنے کی تلقین کی ہے۔ وجاہت مسعود کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے اسلام کی اعلیٰ اخلاقی قدروں اور روایات سے انسان کو جڑے رہنے اور ان سے سیکھنے کی تلقین کی ہے

اور انسانی سیرت و کردار میں اسلام کے ہر پہلو کو ابھارنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے ایک اسلامی ریاست میں حکمران ملک میں اسلامی تعلیمات کی پیروی کروانے میں بڑی حد تک اپنا اثر و رسوخ رکھتا ہے اور اسی کی بدولت ہی ملک میں مذہب اور دین کی آگہی ممکن ہو سکتی ہے وجاہت مسعود نے اس امر کی طرف توجہ دلوانے کی کوشش کی ہے کہ ایک لیڈر ہی خواہ وہ سیاست دان ہو یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری دیانت و امانت داری سے نبھائے گا تو یقیناً وہ شعبہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے گا لیکن وجاہت مسعود سیاست کے میدان کو ان تمام صفات سے عاری دیکھتے ہیں کیونکہ لیڈر کتنا ہی تعلیم یافتہ یا باشعور کیوں نہ ہو اپنی دولت اور شہرت کے بل بوتے پر ترقی کرتا ہے اور معاشرے کے تمام افراد صرف خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں وجاہت مسعود سیاست کو ہر طرح سے صاف و شفاف قرار دینے کی متمنی ہیں ان کے خیال میں حکمران کا تعلق داخلی و خارجی پالیسیوں کو تشکیل و ترتیب دینے میں اور صاف و شفاف نظام کو ہر صورت میں ممکن بنانا چاہیے تبھی ملک کا نظام بھی بہتر ہو گا۔ وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں زندگی کے متعلق ہر شعبے میں انسان کی رہنمائی کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے ان کے خیال میں فرد اکیلا کچھ نہیں ہوتا۔ فرد معاشرے اور کمیونٹی کی شکل میں ہی ترقی کر سکتے ہیں ہر معاشرے کی اپنی کچھ اقدار اور روایات ہوتی ہیں اور زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معاشرے کی ترقی کے لیے زیر زمین قدرتی وسائل اور معدنی وسائل کو بروئے کار لانا از حد ضروری ہے اور یہی معاشرتی اور سماجی ترقی کا ضامن ہے۔ وجاہت مسعود معاشرے اور ماحول کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ درسگاہوں، مدرسوں اور سکولوں کے عدم تحفظات کو سمجھتے ہیں ان کے خیال میں جب ہمارے مدرسے اور سکول ہی محفوظ نہیں ہیں تو بچے کے اندر ڈر اور خوف، مستقبل کے بارے میں ذہنی انتشار از خود پیدا ہو گا جو مستقبل میں نہ صرف بچے بلکہ ماحول اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ تعلیم کا عنصر کسی بھی ماحول اور معاشرے کے لیے بے حد ضروری ہے تا کہ معاشرے کی ترقی و ترویج میں ممکن رہے۔ وجاہت مسعود نے اپنے کالموں میں معاشرتی سطح پر بہتری لانے کی بہت تلقین کی ہے معاشرے میں رونما ہونے والا ہر واقعہ پہلے ماحول اور سماج پر اثر کرتا ہے اور پھر اس کے اثرات آہستہ آہستہ دور دور تک پھیل جاتے ہیں ہر دور اپنے اندر اچھے اور برے حالات بہتر سے اثرات لے کر

آتا ہے جو وقت اور حالات کے پیش نظر اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں کسی بھی ملک کی معیشت وہاں کے معاشی، اقتصادی اور سیاسی حالات پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے لیکن پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ دہشت گردی بھی ہے جو ملک و قوم کی ترقی وخوشحالی کو بری طرح متاثر کرتی ہے وجاہت مسعود نے آسان اور سادہ الفاظ میں ملک و معاشرے نہ صرف افراد کے اندر موجود برائیوں کو بڑے ہی محتاط اور پر اثر انداز میں بیان کیا ہے انہوں نے ہر فرد میں موجود سستی، کاہلی، لاپرواہی، ڈر، خوف اور مایوسی کو بیان کیا ہے جو ہر فرد میں حالات کے پیش نظر موجود ہے اور وہ فرد خواہ لیڈر ہے یا عام انسان اس کو اس کے اندر موجود برائیوں کا احساس دلوانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وجاہت مسعود نے اپنی کالم نگاری میں انسان کو ماضی کی تاریخ پر نگاہ ڈورانے اور ماضی کے حالات و واقعات روشن اور تاریک مثالوں کو یاد رکھنے کی تلقین کی ہے کہ کس طرح تمہارے اباؤ اجداد ظلم کی چکی میں پسنے کی بجائے ہمت، حوصلے، جرأت مندی اور دلیری سے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو مٹی کی دھول چٹادی تھی اور اپنے لیے ایک الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے وہی جذبہ اور لگن وہ آج کے آدمی میں بھی دیکھنا چاہتے ہیں کہ آج کا انسان کس طرح حکمران طبقے کے ظلم وزیادتی کی چکی میں پس رہا ہے اور اعلیٰ طبقہ رشوت، سود اور دھوکہ دہی سے کس طرح ترقی کی منازل طے کر رہا ہے وجاہت مسعود کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے سیرت و کردار سازی سے ہر انسان میں موجود برائیوں اور اچھائیوں کو اجاگر کیا ہے امیر طبقہ کی زیادتیاں اور ظلم و بربریت کی داستان کو عام اور صاف و شفاف الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وجاہت مسعود نے عوام کو اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے اور ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کرنے کی تلقین کی ہے۔ انہوں نے ملک کے ہر ادارے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ملک میں موجود ہر طبقے کے بارے میں ایک عام آدمی کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر انسان کو اس بات کا بخوبی علم ہو جائے کہ اس ملک میں موجود ہر طبقہ یا ادارہ اپنے اندر بے شمار خوبیاں اور خامیاں لیے ہوئے ہے اور ہر انسان ان سے اپنی صلاحیت اور ہنر کی بدولت کیا کیا فوائد حاصل کر سکتا ہے وجاہت مسعود نے ملک میں تعمیری کاموں اور مثبت پہلوؤں پر دل کھول کر داد دی ہے اور ساتھ ساتھ منفی پہلوؤں پر تنقید بھی۔ امیر طبقہ کس طرح اپنے کاموں کو سود اور رشوت کے بل بوتے پر کروالیتے ہیں جبکہ غریب عوام کو ظلم کی چکی میں

پسنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں وجاہت مسعود نے ایسی ظالمانہ فکر کے خلاف آواز اٹھانے کی تلقین کی ہے اور ان کی بے حسی، سنگدلی کو اپنی تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے وجاہت مسعود نے سیاست کا تاریخ اور حال میں موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے ان کے خیال میں پاکستان بننے کے وقت جو سیاست وجود میں آئی تھی اور کیا کیا مثبت اقدامات انہوں نے متعارف کروائے تھے وہ آج کی سیاست میں نام کے طور پر بھی نہیں رہے۔ مساوات، برابری، عدل وانصاف کا درس تو اسلام نے بھی دیا تھا لیکن آج سیاست ان تمام اوصاف سے عاری نظر آتی ہے وجاہت مسعود نے ماضی کے حکمران اور آج کے حکمران میں بھی موازنہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ ماضی میں لیڈر اپنے ملک و قوم کے باشندوں کے تحفظات کے لیے میدان میں آیا تھا اور آج کا سیاست دان صرف اور صرف اپنے مفاد اور اپنی تجوریاں اور جیبیں بھرنے کا خواہشمند اور متمنی نظر آتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کے حکمران اور غیر ملکی حکمران کا موازنہ بھی کرتے ہیں کہ غیر ملکی حکمران کسی پروٹوکول کی ضرورت نہیں ہوتی سب برابر ہیں لیکن جب وہ ملکی حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو حالات کے ساتھ ساتھ حکمران کے اندر بھی وہ خلوص اور نیک نیتی نہیں پاتے جو غیر ملکی حکمرانوں میں فعال نظر آتی ہے۔ وجاہت مسعود نے علمی وادبی میدان میں بھی اپنی پوری نیک نیتی اور احساس دل کے ساتھ انسان کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ہمیں چاہئے کہ وقت اور حالات کے بدلتے تقاضوں کے پیش نظر خود کو بھی بدلنا چاہئے وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا ہر انسان کو اپنی صلاحیت اور ہنر کی بدولت اور آنے والی زندگی کو از خود بہتر بنانا ہے ہماری تعلیم ہی ہمارے ملک کے حالات بدل سکتی ہے اور انسان کے اندر آگہی اور شعور پیدا کر سکتی ہے اور ان کے اندر اتنا حوصلہ اور ہمت بڑھا سکتی ہے کہ ہر انسان اپنے اوپر ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف سینہ تان کر مقابلہ کر سکے۔ جمہوریت کے نعرے تو ہر سیاسی قیادت لگاتی ہے لیکن افسوس عام آدمی کو جمہوریت کے معنی تک معلوم نہیں اور وہ ہر دفعہ انہیں نعروں کی زد میں آکر تقدیر کا غلط فیصلہ کر بیٹھتی ہے وجاہت مسعود نے حکمران کے اندر ہٹ دھرمی اور کھوکھلے بن کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ وجاہت مسعود کے اسلوب کی بات کریں تو ان کا آسان، عام فہم، سادہ الفاظ کی داد تحسین نہ دیں تو غلط ہو گا وجاہت مسعود کی کالم نگاری میں قاری کو یہ ضرور افسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ حالات وواقعات کی آپ بیتی اسی کی ہے ان کا اسلوب، دلچسپی کا عنصر، فصاحت و بلاغت یہ تمام

عناصر وجاہت مسعود کے اسلوب کے خاص اوصاف ہیں۔ وجاہت مسعود نے اپنی کالم نگاری میں جذبات و احساسات کی ایسی روانی پیدا کی ہے کہ قاری اس میں ڈوب کر رہ جاتا ہے انہوں نے اپنے لب و لہجے اور انداز سے اپنی ذات کو ہر آدمی کے سامنے کھول کر پیش کیا ہے معاشرے کی تصویر کشی اور انسان کی بزدلی کو بیان کیا ہے کہ کس طرح انسان کے وقت اور حالات کے آگے خود کو بے بس ثابت کر دیا ہے اور ہر آدمی کے اندر ضمیر کو جھنجھوڑنے کی بھرپور کوشش کی ہے وجاہت مسعود نے زندگی کے متعلق انسان اور معاشرے کے متعلق ہر حقائق کو پوری امانت داری سے بیان کیا ہے کسی جگہ بھی جھوٹ سے کام نہیں لیا۔ ضمانت کا بھی سب سے ضروری اور اہم اصول بھی یہی کہ صحافی ہر بات کو کھرے اور کھوٹے میں تمیز کیے بغیر پوری سچائی کے ساتھ بیان کرے اور تحریر کا بھی اصول یہی ہے کہ تحریر اتنی سادی، عام فہم اور آسان ہر کر پڑھ لکھا اور کم تعلیم یافتہ ہر انسان کی سمجھ میں بات آسکے۔ اسی لیے اگر کہا جائے کہ وجاہت مسعود نے نثر میں اردو صحافت کو ایک نیا اور اعلیٰ مقام عطا کیا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ وجاہت مسعود نے بھی اپنے کالم نگاری " محاصرے کے روزنامچہ " میں معاشرے کے کڑوے سچ اور حقائق سے قاری کو آگہی فراہم کرتے ہیں اپنے کالموں میں جگہ جگہ معاشرے کی اخلاقیات سے عاری آداب اور حرکات کو بیان کرتے ہیں ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہونے کے باوجود پر اثر اور دلکشی اور ادبی چاشنی سے لبریز ہے ان کے کالم حالات حاضرہ پر گہری تنقید کا درجہ رکھتے ہیں انہوں نے اپنی کالم نگاری میں آج کے انسان کو جذبات و احساسات سے عاری پیش کیا ہے جو صرف پیسہ، دولت اور رتبہ کمانے کی خاطر اپنی روایات اور تہذیب و تمدن کو بھول بیٹھا ہے وجاہت مسعود نے آج کے حالات پر گہری ضرب بھی لگائی ہے اور انسان کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

ب۔ نتائج

- وجاہت مسعود کی کالم نگاری کے حوالے سے اپنی اس تحقیق کے نتیجے میں درج ذیل نتائج میرے سامنے آتے ہیں۔
- وجاہت مسعود کے کالم سیاست، سماج، تاریخ، علم و ادب اور صحافت کے گرد گھومتے ہیں۔ ان کے کالموں میں دلکشی، انفرادیت، اور تازگی کا احساس ملتا ہے۔ ان کے کالموں کی زبان میں ادبی چاشنی اور لذت کا احساس بھی جھلکتا ہے۔
- وجاہت مسعود کی کالم نگاری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے کالموں میں سادہ، آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے اور اپنی بات کو قارئین تک پہنچانے میں سہل طریقہ اپنایا ہے اُنہوں نے نہایت موثر اور دلچسپ انداز میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ ان کے موضوعات ہی انوکھے اور دلچسپ ہیں کہ جس میں قارئین میں دلچسپی اور جستجو کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔
- وجاہت مسعود کی کالم نگاری میں نمایاں خصوصیت فصاحت و بلاغت، دلچسپی کا عنصر، اختصار پسندی، جامعیت ہے جو کہ ایک اہم پہلو ہے۔
- وجاہت مسعود نے اپنی کالم نگاری سے عام آدمی کو پیش آنے والے مسائل اس کے علاوہ عورتوں کی مسائل اور معاشرے میں موجود برائیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔
- وجاہت مسعود مسلمان ہونے کے ناطے اسلام کے دیئے ہوئے پیغام پر زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہیں پاکستان چونکہ ایک اسلامی ملک ہے اس لیے وجاہت مسعود اپنی کالم نگاری کے ذریعے انسان کو محبت، پیار، رواداری اور اخلاقیات کا درس دیتے ہیں جو کہ ایک عام آدمی ان اوصاف سے دور ہوتا جارہا ہے۔
- وجاہت مسعود نے معاشرے میں موجود تلخ حقیقتوں کو نہایت ہی موثر اور پرکشش انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے یعنی شخصی آمریت، خوف، انتشار، ناانصافی، محرومی، فحاشی،

عام آدمی کا مفاد پس پشت ڈالنا، اور سیاست کے نام پر جھگڑے اور معاشرے کا امن و سکون کا برباد ہونا، غریب کو وقت کی چکی میں پسنا اور امیر کا رشوت اور سود کے بل بوتے پر ترقی کرنا ایسی بیماریاں ہیں جو وجاہت مسعود نے نہایت ہی سہل انداز میں بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

- وجاہت مسعود کی کالم نگاری اپنے منفرد اسلوب اور اظہار کے حوالے سے ایک الگ، جداگانہ اور برتر مقام رکھتی ہے۔
- وجاہت مسعود نے صحافت کے پیشے میں اپنی کالم نگاری کے ذریعے سے بیش بہا خزانہ محفوظ کیا ہے جو کہ عام اور خاص ہر انسان کو بہت فائدہ دیتا ہے۔
- وجاہت مسعود اپنے ضمیر کی روشنی میں کھرے اور کھوٹے میں فرق کرتے ہیں اور جمہوریت، انسانی حقوق، شہری آزادیوں اور اظہارِ رائے جیسے معاملات پر اپنی آراء پیش کرتے ہیں۔

ج۔ سفارشات

- وجاہت مسعود کے کالموں کا معاصر کالم نگاروں کے کالموں کے ساتھ تقابلی جائزہ لے کر اس پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔
- وجاہت مسعود کی کالم نگاری میں مختلف تنوع کے موضوعات ملتے ہیں جیسے سیاسی، تاریخی، علمی، ادبی اور کچھ خاص قسم کے موضوعات ان پر الگ الگ طریقے سے تحقیق کی جاسکتی ہے۔
- وجاہت مسعود عصر حاضر کے ایک نامور تجزیہ نگار ہیں اس لیے ان کی آرا، تجربے، تبصرے، اور ان کی شائع شدہ کتابیات کا بغور مطالعہ اور ان پر تحقیق کرنی چاہیئے تاکہ آنے والے وقت میں کوئی موثر لائحہ عمل مستقبل کے لیے تیار کر سکیں۔
- وجاہت مسعود کے کالموں میں سیاست اور اس کے معاشرے پر اثرات، کارکنوں کے مزاج اور رویوں پر اثر بہت جہگوں پر ملتا ہے۔ اس لیے اس حوالے سے ایک جامع تحقیق ہونی چاہیئے۔
- وجاہت مسعود کے کالم اپنے انوکھے موضوعات کی بدولت دلچسپی کا باعث بنتے ہیں اس لیے ان کے موضوعات میں چھپے مقاصد کو قارئین کے سامنے لانا ایک اہم قدم ہونا چاہیے جس کے لیے تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔

د۔ کتابیات

بنیادی ماخذ

وجاہت مسعود، محاصرے کا روزنامچہ (۱)،سنگ میل پبلشرز، ۲۰۱۷ ء

ثانوی ماخذ

انور سدید،ڈاکٹر،اردو ادب کی مختصر تاریخ،عزیز بک ڈپو لاہور، ۲۰۰۶ء

اوریا مقبول جان، حرفِ راز، دنیا،۹ جنوری ۲۰۱۳ء

Izhar.haq@dunya.pk، ۲۶ جولائی ۲۰۱۳ء

جاوید چوہدری،زیرو پوائنٹ، ۱۷ جون ۲۰۱۴ء

www.facebook.com/javed.chaudhry

حسن نثار،ڈیلی دنیا، کرپشن کہانی، ۲۲ جنوری ۲۰۱۳ء

عبدالسلام خورشید،ڈاکٹر، فن صحافت، مکتبہ کارواں، کچہری روڈ،لاہور،۲۰۰۸ء

شفیق جالندھری،ڈاکٹر، صحافت و ابلاغ،اے ون پبلشر ،لاہور،۲۰۰۸ء

قاسم یعقوب،اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث (منتخب تنقیدی مقالات)، سٹی بک پوائنٹ،۲۰۱۷ء

مسکین علی حجازی،ڈاکٹر، پنجاب میں اردو صحافت، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور، مئی ۱۹۹۵ء

ر۔ ضمیمہ: وجاہت مسعود کے کالموں کا اشاریہ

(موضوعات کی مناسبت سے منتخب شدہ کالم)

1۔	سیاسی موضوعات	سیاسی قیادت کا امتحان ،خوشی اور اتنی فروانی سے ؟ نعرے اور حقائق کے درمیان، آیئے بھارت کا مقابلہ کریں، ایک آنکھ ہستی ہے ، ہمارے سیاسی کارکن، نمک سے بنئے ہوئے پتوار، گنواہیں قبروں پر پھول کتنے، اہل سیاست کا احترام سیکھیئے، جمہوریت اور ٹونے ٹوٹکے، جنرل کیانی کے ارشادات پر کچھ معروضات ، ستم رسیگاں کے حق میں بول ، دل کو لازم ہے کہ اس نازیہ اثبات کرے، قائداعظم اہل پاکستان کے باپ تھے، 2۔ آسماں اس لیے ہے کہ یہ جادو ٹوٹے، TAKE, BOW, MP. PRESIDENT، نمبر دار کا نیلا، ایک نبی سے ڈرتے ہیں ، بھنور کی آنکھ میں مانجھی کی آزمائش ہے ، کرپشن کا سوال، شاخوں پر انگلیوں کے نشان، کیا شمع کے نہیں ہیں۔ ہوا خواہ اہل بزم
2۔	سماجی	قائد کی قبر کس نے کھودی، بے وقت کی راگنی، ہمارا قومی وقار کیسے تباہ ہوا، قومی مفاد کا ناگزیر تقاضا، دیکھ دریا ہے، کنارے کو سنبھال، حادثہ تھا، ملال کچھ تو ہو، امریکی نخرے میں گرم مسالا، آوازہ انکار یا انکار کی علت، ہم اداس کیوں ہیں، اکبر خان کیا چاہتا ہے ، اشک دامن میں بھرے، خواب کمر پر رکھا، اٹھو اب ماٹی سے اٹھو، جاگو میرے لال، کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے، سکوت جرم ہے، خانہ خالی میں شیطان، جمہوریت اور ٹوٹے ٹوٹکے، شم رسید گاں کے حق میں بول، تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے ، شاخوں پہ

انگلیوں کے نشان، قائداعظم اہل پاکستان کے باپ تھے، 1۔ ایذارسانی کے خاتمے کی ضرورت، معیشت کی تہذیب، مگر اک اجنبی اسی روشنی کیا کہہ رہی ہے، سیکورٹی ٹیسٹ یا عوامی فلاحی ریاست؟ ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی سے میں بونا ہے، تیرا سرمایہ یہی ہاتھ تو ہے، ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں۔ لیکن کسے نادر پکارے، روشنی سے ڈرتے ہو؟ جہاں دانش جرم ٹھہرے۔۔۔۔۔		
قائد کی قبر کس نے کھو دی، لکھو کہ راہوار تھک گئے ہیں، عظیم شہری کی موت، ہم اداس کیوں ہیں؟، نیا سال کئی سال سے نہیں آیا، انتہا لیکن برل فاشٹ اوا سیکولرازم، تاریخ بڑے کام کی چیز ہے، نمک سے بنے ہوئے پنوار گنوا ہیں قبروں پہ پھول کتنے، مذہب کے نام پر ووٹ، بادشاہت کا خاتمہ، آیئے رنگ منایئے، مگر اک اجنبی سی روشنی کیا کہہ رہی ہے، گوتم بدھ، کچھوا اور ڈاکٹر دھماکہ، ہم نے اپنے ارمانوں کو کس مٹی میں بوتا ہے، انقلاب کی باتیں مہر و سالک کے انقلاب کو دیکھ، پنجاب کی ایک مقامی چھلک، بانو خان، پھلپوٹہ کیسے ہلاک ہوا؟ کہا کہ ڈرون کا ڈر ہے؟	تاریخی	3۔
قائد کی قبر کس نے کھو دی؟ بے وقت کی راگنی، تانگے جھنگ جاندے، کہ آتی ہے اردو زبان آتے آتے، نئے سیاسی و سماجی منظر کے ممکنہ کردار، چراغ سب کے بجھیں گے، ہوا کسی کی نہیں، خبر کا امتحان اب ہو گا، مذہب کے نام پر ووٹ، جمہوریت اور ٹونے ٹوٹکے، تم کوئی اچھا سار کھ لو اپنے ویرانے کا نام، آیئے رنگ منایئے، مردی آدمی کے دانت کی تلاش، ایذارسانی کے خاتمے کی ضرورت، ادب کی معیشت، صحافت حرف خبر سے نوید افراد تک، آسمان	علمی و ادبی	4۔

		آس لیے ہے کہ یہ جادو ٹوٹے، تیرا سرمایہ ہی ہاتھ تو ہیں، شب منتقم! یہ چراغ کیسا بجھا دیا، پیارے بروٹس، خرابی ہماری ستاروں میں نہیں
5۔	خصوصی موضوعات	ظلم کے بارے میں خواب اور حقیقت، کیا ڈرامہ ہے کیا کہانی ہے، حافظ رسید موسم گل، چراغ حسن، جو نہیں ہیں قید غنیم میں وہ پکار دیں، TAKE A BOW, MR. PRESIDENT پانچواں کالم کون دیکھ رہا ہے؟ سارا شہر ہی چڑیا ہو گیا ہے، کہا کہ ڈرون کا ڈر ہے، ہے اب بھی واقت زاہد، ترمیم زہد کر لے۔